شرح قصیدہ غوثیہ

نواب محمد عبدالمالک کھوڑوی

نوری کتب خانہ۔ لاہور

الجواہر المضیہ فی شرح القصیدۃ الغوثیہ

شرح اردو

قصیدہ غوثیہ

ابوالبرکات علامہ محمد عبدالمالک رحمۃ اللہ علیہ

نوری کتب خانہ
معصوم شاہ روڈ
بالمقابل ریلوے اسٹیشن
لاہور

بفیضانِ کرم
حضرت الحاج پیر سید محمد معصوم شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ
قادری نوری

بفیضانِ نظر
الحاج صاحبزادہ پیر سید محمد حسن شاہ گیلانی مدظلہ
قادری نوری

اہتمام اشاعت
پیرزادہ سید محمد عثمان نوری

2003
ناشر: نوری کتب خانہ، لاہور
طابع: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور
قیمت [redacted] روپے

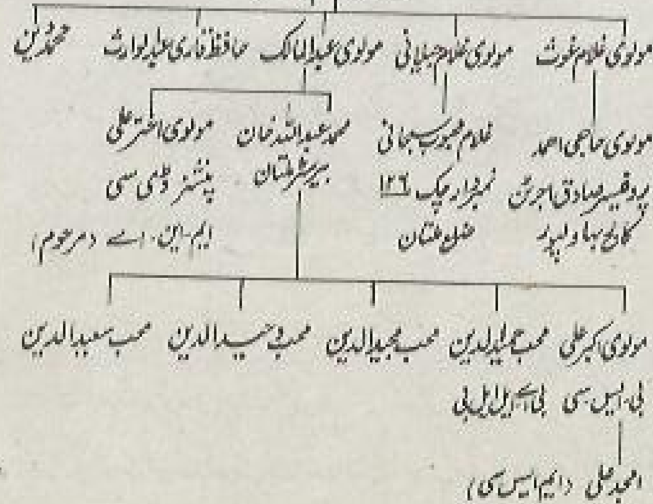
تقسیم کار
نوری کتب خانہ
نزد جامع مسجد نوری بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور
نوری بک ڈپو
دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم — حامداً و مصلیاً و مسلماً

مولانا ابوالبرکات عبدالمالک رحمۃ اللہ علیہ
کے مختصر حالاتِ زندگی

از ـــ مولانا حکیم محمد مظفر علی صاحب مدظلہٗ ـــ

محمد عبدالمالک نام ابوالبرکات کنیت خان صاحب، گورنمنٹ انگلشیہ کی طرف سے خطاب قوم گوجر چوہان جائے پیدائش، موضع کھوڑی متصل ڈنگہ ضلع گجرات ہے۔ کھوڑی تھانہ ڈنگہ تحصیل کھاریاں کا ایک غیر معروف قصبہ پہ نہر اپر جہلم کے قریب واقع ہے۔ اس موضع میں قوم گوجر آباد ہے۔ اس کی مٹی نے وہ گوہر ہائے آبدار پیدا کئے جنہیں تمام دنیائے علم و ادب عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اس سے میرا اشارہ حضرت مولانا عبدالمالک کھوڑوی اور ان کے خاندان کی طرف ہے جو آسمانِ شہرت سے نمودار ہوئے۔



تاریخ پیدائش معلوم نہیں ہو سکی۔ حضرت مولانا عبدالمالک کے جدِ امجد کا نام گوہر ہے جن کا تعلق گوجر برادری سے تھا۔ والدِ بزرگوار کا نام مولوی محمد عالم تھا۔ مولوی محمد عالم صاحب اپنے وقت میں بہت بڑے عالمِ دین، فقیہ، منطقی اور خوشنویس تھے ان تینوں صفات میں مولوی صاحب اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ قدوۃ السالکین حضرت مولانا جان محمد صاحب قادری لاہوری سے بیعت تھی اور خرقۂ خلافت بھی حاصل تھا۔

علم حساب میں بھی خاص رغبت تھی۔ علم حساب میں ان کی ایک کتاب "حسابِ عالم" کا ایک نسخہ بخطِ مصنف ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے پنجابی زبان میں ایک سی حرفی بنام "فریادِ عالم در فراقِ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ" طبع شدہ موجود ہے جو نہایت پُرتاثیر ہے۔

مولانا عبدالمالک مرحوم نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مرحوم اور اپنے بھائی غلام غوث مغفور سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے موضع چک عمر نزد لالہ موسیٰ میں استاذ الکل سیدی مولوی شیخ عبداللہ صاحب نوّر اللہ مرقدہ جو اپنے دور کے ایک جید عالمِ دین تھے، کی درس گاہ میں داخل ہوئے اور نو دس سال کے عرصہ میں اعلیٰ تعلیم کے مدارج حاصل کرتے رہے۔ مولوی شیخ عبداللہ صاحب کی تعلیم و تربیت نے جوہرِ نادر پر سونے پر سہاگے کا کام دیا اور مولوی علامہ عبدالمالک کی ذاتی صلاحیتیں دانشمند استاد کی تربیت سے اس طرح چمکیں کہ دنیائے علم و ادب میں دور دور تک روشنی پھیل گئی۔

حضرت مولانا عبدالمالک صاحب فارغ التحصیل ہو کر محکمہ مال میں ایک معمولی اسامی (مددگار پٹواری) پر ملازم ہوئے۔ آپ کے علم و ادب کا شہرہ دور تک پھیلا اور ترقی کرتے کرتے افسر مال کے عہدہ پر پہنچے۔ نواب صادق محمد خامس فرمانروائے

بہاول پور نے آپ کی شہرت کا چرچا سنا تو ازراہِ قدردانی بہاول پور بلایا اور اپنی ریاست میں مشیرِ مال مقرر کیا اور بہت سی ذمہ داریاں تفویض کیں۔

شہر میں ایک ایسی جگہ تھی کہ جس پر ہندو اور مسلم اپنا اپنا قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے وقت کی نزاکت کو دیکھا اور اپنے رسوخ کی بنا پر نواب صاحب سے اجازت لے کر اس جگہ ایک عالی شان مسجد بنوا دی اور اس کا نام مسجدِ اقصیٰ رکھا اور نواب صاحب سے اس کا افتتاح کروایا۔

نہر صادقیہ کا نقشہ اور تمام کھدوائی وغیرہ کا بندوبست کر کے اس کو سرانجام پہنچا کر جاری فرمایا اور ایک بہت بڑے ریگستان اور بنجر علاقہ کو زرخیز اور جنت نشان بنا دیا۔

آپ نے نواب محمد صادق والیٔ بہاول پور کی مدح میں ایک تاریخی قصیدہ (۱۳۱۰ھ) لکھا جس کے مقابل آج تک کوئی قلم نہیں اٹھا سکا۔ یہ آپ کا ایک بہت بڑا شاہکار ہے، اس میں چند خاص خوبیاں ہیں جو قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ ہر ایک مصرعہ سے علیحدہ علیحدہ تاریخ یعنی سن ہجری برآمد ہوتا ہے۔
۲۔ اگر کسی دو مصرعوں کے حروفِ منقوطہ کو جمع کیا جائے تو تاریخ نکلتی ہے۔
۳۔ اگر کسی دو مصرعوں کے غیر منقوطہ حروف کو لیا جائے تو بھی یہی صورت ہے۔

القصہ قصیدہ ہٰذا کے ۴۰ شعروں میں سے ۱۴۰ مادہ ہائے تاریخ حاصل ہوتے ہیں۔

مطلع یوں ہے ؎

مصلحِ جود و صداقت منبعِ سرِّ نہاں   مجمعِ عدل و جلالت صادقِ صاحبقراں

مقطع اس طرح لکھتے ہیں ؎

ایں قصیدہ گفت مالک سر عالم لاجواب — آفریں صد مرحبا احسنت صد گوید جہاں

در جنابش شادکام آوردہ ام اہلِ کلام — عمدہ گنجینہ فکر بہرِ امتحاں

مولانا صاحب کے چند اشعار ان کے اس قصیدہ سے بھی ملاحظہ ہوں، جو انہوں نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت میں تحریر فرمایا ؎

اے بر زدہ بر عرش بریں نقشِ قدم را — وز نامِ تو علم ازلی لوح و قلم را

اے فخر بذات تو صنادید عرب را — وے ناز بنامِ تو اقالیم عجم را

مشاطہ رخِ حسن تو آراست — تا ہست تماشا بکند حسنِ عدم را

۱۹۱۵ء جب والی بہاولپور کی معیت میں مکہ معظمہ پہنچے، حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے، بارگاہِ احدیت میں عرض کیا لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ والملک لاشریک لک۔

مدینہ منورہ گئے، دربار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری دی، اور اپنا عاجزانہ غلامانہ سلام ان الفاظ میں پیش کیا:

السلام اے نیرِ تابندۂ برجِ وجود — السلام اے گوہرِ رخشندہ انعام وجود

السلام اے مظہرِ حق مصدرِ اسرارِ غیب — کز تو حق ظاہر شدہ در دیدۂ اہلِ شہود

یہ سلام "بوستانِ نعت" مرتبہ حنیف مطبوعہ بہاولپور میں درج ہے۔

واپسی پر آپ کے استاد مولانا شیخ عبداللہ اور مولانا محمد سلام اللہ صاحبان ساکنانِ چک عمر نے قطعاتِ تواریخ لکھے مولانا شیخ عبداللہ صاحب کی تاریخ ۲۰ اشعار پر مشتمل ہے اور عربی تاریخ یامالک الملک تقبل حجۃ عبد ملک سے عیاں ہے اور مولانا محمد سلام اللہ صاحب مرحوم کی تاریخ صادق الاخبار بہاولپور سے

من وعن نقل کرکے قارئین کے پیش کی جاتی ہے:

شکر ذاتِ کبریا خوش آمدید — مرحبا و حبذا خوش آمدید

حج بیت اللہ و ہم بیتِ رسول — شد بلطف حق ادا خوش آمدید

از حریم روضۂ خیر الانام — زانما حصل علی خوش آمدید

صد مبارک لک مبارک باد باد — صد سلام و صد دعا خوش آمدید

شکرِ حق ہر دو فضیلت شد ادا — از عطیاتِ خدا خوش آمدید

گفت شائق مصرعِ سالِ قدوم — حاجیا صد مرحبا خوش آمدید

یا الٰہی ایں سعادت از کرم — بہرِ شائق ہم عطا خوش آمدید

بہاولپور میں حضرت مولانا صاحب مرحوم کے جوہر خوب چمکے اور یہاں رہ کر انہوں نے بہت سی عالمانہ کتابیں تصنیف کیں جن میں سے مندرجہ ذیل بہت مشہور ہیں:

۱۔ شاہان گوجر، قوم گوجر کی مفصل تاریخ ہے۔ ۲۔ اطباق الشردہ۔ ۳۔ حسن المجردہ (یہ دونوں قصیدہ بردہ کی شرحیں ہیں) ۴۔ شرح محمدی، شائع شدہ از پنجاب یونیورسٹی۔ ۵۔ رسالہ النور۔ ۶۔ المزمل۔ ۷۔ النکاح۔ ۸۔ شرح قصیدہ غوثیہ۔ ۹۔ شرح کبریت احمر۔ ۱۰۔ شرح قصیدہ بانت سعاد، زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔

مولانا صاحب کا ایک مطبوعہ رسالہ شائع کردہ انجمن نعمانیہ لاہور، میں نے برادر محترم پیر طریقت حضرت الحاج مولانا غلام قادر صاحب چشتی اشرفی قادری جیلانی مدظلہ المعروف سخی بابا سجادہ نشین لادھوطی کی لائبریری میں دیکھا تھا جس کا نام اس وقت یاد نہیں رہا۔

مولانا صاحب کی وفات ۲۲ جون ۱۹۴۱ء کو اپنے گاؤں کھوڑی میں ہوئی،

اور اس طرح علم و حکمت کا یہ درخشندہ ستارا اپنی پوری آب و تاب دکھا کر غروب ہو گیا۔
آپ کی وصیت کے مطابق نمازِ جنازہ حضرت مولانا محمد اسلام اللہ صاحب (روح اللہ روحہ) رئیس چک عمر، برادر زادہ و جانشین استاذ الکل شیخ المشائخ مولانا شیخ عبداللہ صاحب نور اللہ مرقدہ خلیفہ مجاز جناب شمس العارفین خواجہ محمد شمس الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سیال شریف نے پڑھائی، راقم الحروف نے مندرجہ ذیل تاریخ کہی ؎

فخرِ گوجر عبدالمالک نیک نام　　کرد رحلت جانبِ دار السلام
بود عالم باعمل از اب وجد　　فیضیاب از خانقاش ہر خاص و عام
گفت شائق با مظفر ایں چنیں　　کن رقم تاریخِ آں "ذی احترام"

آپ نے اپنی زندگی میں ایک عربی مدرسہ اور ایک خانقاہ نہر اپر جہلم کے کنارے متصل موضع نون اپنی مملوکہ و مقبوضہ اراضی میں بنوا کر اپنی بیگم صاحبہ کے نام منسوب کی اور ہر عمارت کے بیرونی دروازہ پر سنگِ مرمر پر قطعات لکھوا کر نصب کئے:

اقیموا الصلوٰۃ

مادرِ عبداللہ و اختر علی　　نیک بی بی کرد ایں مسجد بنا
برد سبقت بر ہمہ مردانِ دیں　　ایں زنِ پردہ نشینِ پارسا
یک ہزار و سہ صد و شصت ست سال　　از زمانِ ہجرتِ خیر الوریٰ

خانقاہ

السلام علیکم یا اہل القبور

خانقاہِ نیک بی بی شد بنا　　جنت الفردوس ہست اندراں
شاخہائے گل فشاں بالائے او　　چشمۂ آبِ کوثر زیر او رواں
اللھم اغفرلہم آمد ندا　　از صفت کرد بیانِ آسماں

آپ یہاں دفن کئے گئے ؎ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

؎ باد یا رب تا قیامت صبح و شام　　بر مزارش بارشِ ابرِ نوال

مدرسہ نیک بی بی کے دروازہ پر یہ وصیت نامہ مع تاریخ بنائے مدرسہ مسطور ہے ؎

نیک بی بی مدرسہ کردم بنا　　از برائے درسِ قرآنِ مجید
بہرِ قرآں سہ مربع وقف کرد　　ایں وصیت کرد با ہر دو ولید
جانِ من عبداللہ و اختر علی　　دائما بختِ شما باد سعید
بر مزارِ من بجائے شمع و گل　　باد جاری درسِ فرقانِ حمید
ہر کہ خواہد دولتش افزوں بود　　ایں درس افزاید مزید

بیگم صاحبہ کی وفات آپ کے بعد ہوئی، اپنی تیار کردہ خانقاہ میں مولانا صاحب کے پاس دفن ہوئیں، جس کے لئے ارشاد خان صاحب محمد عبداللہ خاں بار ایٹ لا ملتان و مولوی اختر علی پنشنر ڈپٹی کمشنر ایم این اے بہاولپور، راقم الحروف نے یہ تاریخ وفات کہی ؎

مادرِ عبداللہ خاں اختر علی　　شد ز دنیا جانبِ خلدِ بریں
بر مزارش ابرِ رحمت دمبدم　　ہم شود خوشنود رب العالمین
یک ہزار و سہ صد و ہم شصت و دو　　سالِ تاریخِ وفاتش را ببیں

ایضاً منہ

ہزاراں حسرت و افسوس و اندوہ　　جنابِ خالہ من در زمیں رفت
ز روئے درد تاریخِ وفاتش　　بگفتم "پاک دل پردہ نشیں رفت"

(مولانا حکیم) محمد مظفر علی
ساکن چک عمر - ضلع گجرات

مقدمہ

از حکیم محمد موسیٰ امرتسری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ سیّدنا ومولٰنا محمد و آلہٖ و اصحابہٖ واولیاء امتہٖ اجمعین۔

سیدنا و مولانا حضرت غوث الثقلین شیخ محی الدین سید عبد القادر جیلانی حسنی حسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۵۶۱ھ) کا ارشادِ گرامی ہے:

قدمی ھٰذہٖ علیٰ رقبۃ کلّ ولیّ اللہ

اس الہامی کلام کی تمام اولیائے وقت نے پرزور تائید فرمائی اور اکثر علماء و اولیاء امت نے اس امر پہ اتفاق کیا کہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرات صحابہ کرام اور ائمہ اہلِ بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سوا، سب زمانوں کے اولیاء کرام کے سردار ہیں، معاصرین، اولین اور آخرین، سب کے سب آپ سے فیض یافتہ ہیں اور آپ ہی کے تابع ہیں ——— امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ (م ۱۳۴۰ھ) کا مسلک بھی یہی ہے، فرماتے ہیں ؎

نامدِ زِ سلف عدیلِ عبد القادر | ناید ز خلف بدیلِ عبد القادر
شلش گر از اہلِ قرب جوئی گوئی | عبد القادر مثیلِ عبد القادر

؎ وہ ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے | سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا

بقسم کہتے ہیں شاہانِ صریفین[1] و حریم[2] | کہ ہوا ہے نہ ولی ہو کوئی ہمتا تیرا

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کا اظہار اپنی متعدد تصانیف میں کیا ہے مگر بعض حضرات نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے حضور غوث پاک کی صرف اپنے زمانے کے اولیاء پر فضیلت مانی ہے اور بعض نے معاصرین و آخرین پر ان کا تفوق تسلیم کیا ہے مگر اولین پر نہیں ——— رسالہ "رموزِ خمریہ" یعنی شرح قصیدہ غوثیہ، تالیف حضرت عارفِ کامل محمد فاضل کلانوری رحمۃ اللہ علیہ کے شروع میں بطورِ پیش لفظ زیرِ عنوان "فائدہ" ناشر نے حسبِ ذیل عبارت نقل کی ہے:

"حضرت شاہ حبیب اللہ چشتی کہ حالِ کمالاتِ شاں از کتاب مآثر الکرام[3] وغیرہ ظاہر است۔ در مناقب الاولیاء فرمودہ، سوال: از کلامِ الہامی قدمی ھٰذہٖ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ مراد اولیاءِ ہمہ عصر اند یا اولیاءِ ہم عصر؟ جواب: مشہور آں ست کہ مراد اولیائے ہمہ عصر اند اما شیخ احمد صاحب نقشبندی[4] گفتہ کہ این

---

[1] حضرت ابو عمرو عثمان صریفینی۔

[2] حضرت ابو محمد عبد الحق حریمی۔ (یہ دونوں بزرگ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے ہم عصر تھے)

[3] مآثر الکرام میں شاہ حبیب اللہ چشتی کے حالات درج نہیں، مؤلف کو تسامح ہوا ہے، غالباً یہ شاہ حبیب اللہ چشتی قنوجی (م ۱۱۴۰ھ) مرید و خلیفہ حضرت شاہ عبد الجلیل چشتی الٰہ آبادی ہیں۔ ان کا ترجمہ متعدد تذکروں میں موجود ہے۔ ان کے پیر شاہ عبد الجلیل، حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے شاگرد رشید تھے۔ حضرت شاہ حبیب اللہ کی تصانیف میں تذکرۃ الاولیاء کا نام بھی ملتا ہے جس سے مراد غالباً مناقب الاولیاء ہے، ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند، حدائق الحنفیہ، نزہۃ الخواطر، مہر نگش۔

[4] یعنی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ۔

حکم مخصوص با اولیاءِ آں وقت است، اولیاءِ ماتقدم وما تاخر ازیں حکم خارج اند چنانچہ از کلامِ جناب شیخ حماد معلوم می شود کہ قدمِ او در وقت او بر گردنِ ہمہ اولیاء خواہد بود وہمچناں از کلام غوث کہ در بغداد بود۔ واِیں فقیر (شاہ حبیب اللہ چشتی) می گوید ہر گاہ کہ غوث اعظم از حق سبحانہٗ بہ تکلمِ ایں کلام مامور گشت وتکلم نمود اناں وقت ہر کہ داخلِ ولایت است مندرج است تحتِ ایں کلام چنانچہ عموم وکلیتِ آں کلام منادی است واناں ہنگامی کہ امرِ الٰہی بہ لفظِ کلی صادر گشتہ وہیچ حکمی ناسخ آں بظہور نہ پیوستہ، ہمیشہ وقتِ اوست تاکہ ولایت باقی است چنانچہ بحیرا راہب وغیرہ از عُلوِّ شانِ جنابِ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم خبر دادہ کہ در وقتِ او کفر ذلیل گردد وادیانِ دیگر نسخ پذیرد، مراد ازاں یک وقتِ مخصوص نیست بلکہ از وقتِ نزولِ امرِ الٰہی تا قیامت وقتِ اوست و بالفرض اگر اولیاءِ آں عصر مراد داشتہ شود یقینی است کہ اولیاءِ آں عصر پیرانِ اولیاء ما تاخر شدند، ہر گاہ پیراں منقاد شدند وگردن نہادند مریداں بطریقِ اولیٰ، در کلامِ شیخ حماد وغیرہ باوجود آنکہ دلالت بر نفیِ ماتقدم وما تاخر نمی کند ناسخِ کلامِ الٰہی نمی تواند بود--------- ۱؎

حضرت شاہ حبیب اللہ چشتی علیہ الرحمۃ نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی

۱؎ رموزِ خیریہ یعنی شرح قصیدہ غوثیہ، مطبع صبح صادق سیتاپور، ۱۳۰۶ھ

شیخ احمد سرہندی قدس سرہ السامی (م ۱۰۳۴ھ) کا جو یہ قول نقل کیا ہے کہ "ایں حکم مخصوص با اولیاءِ آں وقت است، اولیاءِ ماتقدم وما تاخر ازیں حکم خارج اند" اس سلسلے میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ امام ربانی قدس سرہ نے آخری ایام میں اس باب میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ اس قول کا ناسخ ہے حضرت شیخ مجدد نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں حضرت غوث اعظم کی افضلیت کو بیان کیا ہے اور اپنے آپ کو ان کا نائب لکھا ہے لہذا حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے ایک سابق قول کو پیش کرنا اور زیر بحث لانا غیر مناسب ہے لہذا اس مقام پر یہ قول اُن ہی کا سمجھا جائے جو ایسا عقیدہ رکھتے ہیں، اب آپ حضرت شیخ مجدد کی وہ نورانی تحریر ملاحظہ کیجیے جس میں حضرت غوث اعظم کی افضلیت در ہر عصر کو واضح طور پہ بیان کیا گیا ہے:

" وہ راستے جو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے والے ہیں، دو ہیں: ایک وہ راستہ جو قربِ نبوت سے تعلق رکھتی ہے علیٰ اربابہا الصلوٰۃ والسلام اور واصل الاصل تک پہنچانے والی ہے، اس راہ سے واصل ہونے والے اصل میں تو انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں اور ان کے صحابہ اور باقی اُمتوں میں سے جس کو بھی اس دولت سے نوازیں اگرچہ وہ تھوڑے ہوتے ہیں بلکہ بہت ہی تھوڑے اور اس راہ میں توسط وحیلولت نہیں ہے، جو بھی ان واصلین میں سے فیض حاصل کرتا ہے وہ بغیر کسی وسیلے کے اصل سے حاصل کرتا ہے اور کوئی بھی دوسرے کی راہ میں حائل نہیں ہوتا۔

اور ایک وہ راہ ہے جو قربِ ولایت سے رکھتی ہے، اقطاب اوتاد اور بدلاء اور نجباء اور عام اولیاء اللہ اسی راہ سے واصل ہیں اور راہ سلوک

اسی راہ سے عبارت ہے بلکہ جذبہ متعارفہ بھی اسی میں داخل ہے اور اس راہ میں توسط وحیلولت ثابت ہے اور اس راہ کے واصلین کے پیشوا اور ان حضرات اور ان کے بزرگوں کے منبع فیض حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ہیں اور یہ عظیم الشان منصب ان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس راہ میں گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قدم مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مبارک سر پر ہیں اور حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس مقام میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر اپنی جسدی پیدائش سے پہلے بھی اس مقام کے ملجا و ماویٰ تھے جیسا کہ آپ جسدی پیدائش کے بعد ہیں اور جس کو بھی فیض و ہدایت اس راہ سے پہنچی ان کے ذریعے سے پہنچی کیونکہ وہ اس راہ کے آخری نقطہ کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز ان ہی سے تعلق رکھتا ہے اور جب حضرت امیر کا دور ختم ہوا تو یہ عظیم القدر منصب بالترتیب حضرات حسنین کے سپرد ہوا اور ان کے بعد وہی منصب ائمہ اثنا عشر میں سے ہر ایک کو ترتیب وار اور تفصیل سے مقرر ہوا اور ان بزرگواروں کے زمانہ میں اور اسی طرح ان کے انتقال کے بعد جس کو بھی فیض اور ہدایت ملی ان بزرگواروں کے ذریعہ اور حیلولت سے ملی اگرچہ وہ اقطاب و نجبائے وقت ہی کیوں نہ ہوں اور سب کے ملجا و ماویٰ یہی بزرگ ہیں کیونکہ اطراف کو اپنے مرکز کے ساتھ الحاق کرنا لازمی ہے یعنی اس کے بغیر چارہ نہیں یہاں تک کہ نوبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ تک پہنچی اور جب اس بزرگوار تک نوبت پہنچی تو منصب مذکور آپ کے سپرد ہوا اور ائمہ مذکورین اور حضرت

شیخ کے درمیان کوئی بھی اس مرکز پر مشہود نہیں ہوا اور اس راہ میں فیوض و برکات کا وصول جس کو بھی ہو، خواہ وہ اقطاب و نجباء ہوں، آپ کے واسطہ ہی سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ یہ مرکز ان کے علاوہ اور کسی کو میسر نہیں ہوا، یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے ؎

افلت شموس الاولین وشمسنا
ابداً علی افق العلی لا تغرب

ترجمہ: "پہلے لوگوں کے سورج غروب ہوگئے اور ہمارا سورج ہمیشہ بلندی کے کناروں پر رہے گا اور وہ کبھی غروب نہ ہوگا"۔ ؎[1]

شمس سے مراد فیضانِ ہدایت وارشاد کا آفتاب ہے اور اس کے غروب ہونے کا مطلب فیضانِ مذکور کا عدم ہے اور جب حضرت شیخ کے وجود سے وہ معاملہ جو پہلے لوگوں سے تعلق رکھتا تھا مقرر ہوا اور رشد و ہدایت کے وصول کا واسطہ ہوئے جیسا کہ ان سے پہلے کے بزرگ تھے اور پھر یہ بھی ہے کہ جب تک فیض کے توسط کا معاملہ قائم ہے ان ہی کے وسیلہ سے ہے تو لازماً درست ہوا کہ:

افلت شموس الاولین وشمسنا الخ

سوال: ـ یہ حکم مجدد الف ثانی سے ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ مجدد الف ثانی کے مکتوبات کے بیان میں جلد ثانی کے ایک مکتوب میں درج ہوا ہے کہ جو کچھ بھی فیض کی قسم سے اس مدت میں امتوں کو پہنچتا ہے وہ انہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے اگرچہ وہ اقطاب و

---

[1] منظوم ترجمہ از اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ ؎

سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے
افقِ نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا

اوتاد ہوں یا نجبار و بدلاءِ وقت!

جواب:۔ میں کہتا ہوں کہ مجدد الف ثانی اس مقام میں حضرت شیخ کے نائب مناب ہیں اور حضرت شیخ کی نیابت ہی سے یہ معاملہ اس سے (مجدد الف ثانی سے) وابستہ ہے، جیسا کہ کہا ہے:

نور القمر مستفاد من نور الشمس

(چاند کا نور سورج کے نور سے مستفاد ہے)

لہٰذا کوئی استحالہ و اشکال نہ رہا۔[1]

حضرتِ مجددِ الفِ ثانی قدس سرہ نے اس حقیقت کو ذرا اختصار کے ساتھ رسالہ "مکاشفاتِ غیبیہ" میں بھی بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

"باید دانست کہ واصلانِ ذات ازیں بزرگواراں کہ بہ "افراد" ملقب اند نیز اقل قلیل اند و اکابرِ صحابہ و ائمہ اثنا عشر از اہلِ بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بایں دولت فائض اند و ناکابر اولیاء اللہ قطب غوث الثقلین قطبِ ربانی محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی است قدس اللہ تعالیٰ سرہ الاقدس بایں دولت ممتاز اند و دریں مقام شانِ خاص دارند کہ اولیاءِ دیگر ازاں خصوصیت قلیل النصیب اند ہمیں امتیاز فضلے باعثِ علوّ شانِ ایشاں شدہ است فرمودہ اند قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ، اگرچہ دیگراں راہم فضائل و کرامات بسیار است

---

[1] مکتوباتِ امام ربانی مترجمہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی (تغیر قلیل) دفتر سوم مکتوب ۱۲۳۔

اما قرب ایشاں بآں خصوصیت از ہمہ زیادہ تر است در عروج و بآں کیفیت کسے بہ ایشاں نمی رسد، با اصحاب و ائمہ اثنا عشر دریں باب مشارکت اند ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم"[1]

حضرت شیخ سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۵۳ھ) نے خلاصۃ المعارف ولکات الاسرار میں وہی کچھ تحریر فرمایا ہے جو ان کے مرشد ارشد حضرت امام ربّانی قدس سرہ نے بیان فرمایا ہے۔

سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے فاضلِ اجل بزرگ حضرت شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۹۵ھ) نے افضلیت غوث پاک رضی اللہ عنہ پر نہایت شرح و بسط سے روشنی ڈالی ہے، کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا، اختتامِ بحث پر رقم فرماتے ہیں:

"پس ثابت شد حکم کشفاً قطعاً بر ثبوت قدم مبارک بر فوق رقاب جمیع اولیاءِ کرام اولین و آخرین قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم واز جمیع ما ذکر دانستہ باشی"[2]

حضرت شیخ مجدد قدس سرہ کے منقولۃ الصدر مکتوب شریف پر اکثر علماء و مشائخ نے توجہ نہیں کی لہٰذا اولیاءِ متقدمین و متاخرین پر حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کے بارے میں تشویش رہی۔

---

[1] مکاشفاتِ غیبیہ، طبع کراچی، صـ۸

[2] مکتوباتِ شاہ فقیر اللہ علوی نقشبندی شکارپوری، طبع لاہور، صـ۲۱، مکتوب نمبر ۳۹۔

الحاج محمد عارف رضوی ضیائی بیان کرتے ہیں کہ سیدی حضرت مولانا ضیاء الدین احمد صاحب قادری رضوی مہاجر مدنی مدظلہ العالی نے دو تین مرتبہ فرمایا کہ پنجاب کے ایک مشہور نقشبندی بزرگ نے مجھے کہا کہ ہم اولیاء متقدمین و متاخرین پر حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی فضیلت نہیں مانتے، اس پر میں (حضرت مدنی) نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا یہ مکتوب ان پیر صاحب کو پڑھوایا تو فرمانے لگے کہ پورے ستر سال سے میں اس غلط خیال میں مبتلا رہا مگر اب میں آپ کے سامنے توبہ کرتا ہوں، حضرت مجدد نے جو فرمایا ہے، وہ حق ہے۔" ان پیر صاحب علیہ الرحمۃ کا رجوع فرمالینا ان کی انسانی عظمت کی دلیل ہے۔

اس مکتوب شریف کا مطالعہ نہ کرنے کی وجہ سے بعض لوگ اس سوء ظنی میں بھی مبتلا رہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت "در ہمہ عصر" کبھی بھی تسلیم نہیں کیا تھا جیسا کہ شاہ حبیب اللہ چشتی کی اس تحریر سے ظاہر ہے جو ابتداء میں درج ہو چکی ہے، مقام حیرت ہے کہ یہ مکتوب ان فضلاء کی نظر سے کیوں اوجھل رہا؟

سرخیل سلسلہ نقشبندیہ حضرت مولانا عبد الرحمن جامی قدس سرہ السامی (م ۸۹۸ھ) نے اس سلسلے میں متعدد بزرگوں کے کشف نقل فرمائے ہیں، ان میں سے ایک بزرگ کی کشفی شہادت درج ذیل ہے:

"شیخ ابو سعد قیلوی گفتہ کہ چوں شیخ عبد القادر گفت قدمی هذه علی رقبة کل ولی اللہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ بر دل وے تجلی کرد و رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم بر دست طائفہ از ملائکہ مقربین بحضر اولیاء متقدمین و متاخرین کہ آنجا حاضر بودند، احیاء باجساد خود و اموات بارواح خود خلعتی در وے پوشانیدند و ملائکہ و رجال غیب مجلس وے را در میان گرفتہ بودند و صفہا در ہوا ایستادہ بودند، بروی زمین ہیچ ولی نماند مگر کہ گردن خود را پست کرد و بعضے گفتہ اند کہ یک کس از عجم تواضع نکرد و حال وے از وے متواری شد۔" [1]

ترجمہ: "جس وقت حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ "میرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے" اس وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے دل پر ایک تجلی ہوئی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ملائکہ مقربین کی ایک جماعت کے ہاتھ ان کے پاس ایک خلعت آئی جو اولیاء متقدمین و متاخرین کی موجودگی میں انہیں پہنائی گئی، زندہ اولیاء تو اپنے اجسام کے ساتھ حاضر تھے اور جو وصال پا چکے تھے ان کی ارواح موجود تھیں، ادھر فرشتے ملائکہ اور رجال غیب نے اس مجلس کو گھیرے میں لیا ہوا تھا اور ہوا میں صف بستہ کھڑے تھے اس وقت روئے زمین کا کوئی ایسا ولی نہ تھا جس نے اپنی گردن کو نہ جھکا دیا ہو، مگر ایک عجمی نے تواضع سے کام نہ لیا تو اس کا حال محو ہو گیا یعنی اس کی ولایت سلب ہو گئی۔"

مولانا جامی نے یہ روایت بہجۃ الاسرار سے لی ہے، ملاحظہ ہو ص ۹ طبع مصر۔

---

[1] نفحات الانس (فارسی) طبع لاہور ۱۹۲۷ء، ص ۳۵۴۔

حضرت خلیفہ بن موسیٰ نہرملکی قدس سرہ کا ایک خواب حضور غوث الثقلین کی جلالتِ شان کی زبردست دلیل ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پُرنور سیدِ عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وبارک وسلم کو خواب میں دیکھا تو عرض کی کہ شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں قدمی ھٰذہٖ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ۔ حضور نے ارشاد فرمایا صدق الشیخ عبدالقادر کیف لا وھو القطب وانا ارعاہ۔[1]

"یعنی شیخ عبدالقادر نے سچ کہا اور وہ کیوں نہ سچ کہیں کہ خود قطب ہیں اور میں ان کا نگہبان ہوں۔"[1]

یاد رہے کہ انبیاء کرام و اولیاءِ عظام کے رُؤیا بیداری کا حکم رکھتے ہیں۔ حضرت شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری لکھتے ہیں:

"پوشیدہ نیست بر ذوی العرفان والاتقان کہ رؤیائے انبیاء و اولیاء در حکم یقظات است حتیٰ کہ اگر بچیزے مامور شوند در خواب واجب می گردد بر ایشاں امتثال بآں و اگر از چیزے نہی کردہ شوند لازم می گردد بر ایشاں اجتناب ازاں چنانکہ در سِیَرِ ایشاں مُبَیَّن است۔"[2]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نقشبندی (م ۱۱۷۶ھ) نے سلسلہ عالیہ قادریہ اور حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو اپنے مخصوص انداز میں بیان

---

[1] بہجۃ الاسرار ص۱، الزبدۃ الزکیۃ فی تحریم سجود التحیۃ، از اعلیٰ حضرت بریلوی، طبع لاہور، ص۲۳۔

[2] مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی، ص۲۰۔

فرمایا ہے:

"در اولیاءِ امت و اصحابِ طرق اقویٰ کسیکہ بعد تمام راہ جذب باکمل وجوہ باصل ایں نسبت میل کردہ است و در آنجا بوجہ اتم قدم زدہ است حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی اند و لہذا گفتہ اند کہ ایشاں در قبرِ خود مثلِ احیاء تصرف می کنند۔"[1]

ترجمہ: "اولیائے امت اور اربابِ سلاسل میں سے راہِ جذب کی تکمیل کے بعد جو اس نسبت اویسیہ کی طرف سب سے زیادہ مائل اور اس مرتبہ پر بدرجہ اتم فائز ہوئے ہیں وہ حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی ہیں۔ اسی لئے (مشائخ) نے کہا ہے کہ وہ اپنی قبر میں احیاء (زندوں) کی طرح تصرف فرماتے ہیں۔"

شاہ ولی اللہ تفہیمات میں لکھتے ہیں:

"لقد فہم للطریقۃ القادریۃ والنقشبندیۃ والچشتیۃ خاصیۃ علیٰ حدتہا فالقادریۃ قریبۃ من الاویسیۃ والروحانیۃ وان کان التعلیم من الشیخ ظاہر ولہا قدم فی الارتباط بالشیوخ وتوجہ المشائخ الی الطالب لیست لغیرھا وذلک ظاھر لان الشیخ عبدالقادر لہ شعبۃ من السریان فی العالم وذلک انہ لما مات صار

---

[1] ہمعات (فارسی)، از شاہ ولی اللہ دہلوی، طبع حیدرآباد (پاک) ۱۹۶۴ء، ص ۶۱۔

بهيئة الملأ الاعلى والطبع في الوجود السارى في العالم كله فحصل من هذا الوجه روح في طريقته." [1]

ترجمہ: "سلسلہ قادریہ نقشبندیہ اور چشتیہ کی الگ الگ خاصیت بھی گئی ہے سلسلہ قادریہ میں اگرچہ تعلیم بظاہر شیخ ہی سے ہوتی ہے تاہم یہ سلسلہ طریقہ اویسیہ روحانیہ کا مظہر ہے۔ اس سلسلہ میں مشائخ کے ساتھ تعلق اور مشائخ کی توجہ طالب کی طرف اس قدر ہوتی ہے کہ دوسرے سلاسل میں نہیں پائی جاتی اور یہ امر ظاہر و عیاں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ کو عالم میں اثر و نفوذ کا ایک خاص مقام حاصل ہے اس لئے کہ انہیں وصال کے بعد ملأ اعلیٰ کی ہیئت حاصل ہو گئی ہے اور ان میں وہ وجود منعکس ہو گیا ہے جو تمام عالم میں جاری و ساری ہے لہٰذا ان کے طریقے (سلسلہ قادریہ) میں بھی ایک خاص روح اور زندگی پیدا ہو گئی ہے۔"

شاہ فقیر اللہ علوی نقشبندی شکارپوری سلسلہ قادریہ اور قادریوں کی فضیلت و افضلیت بیان کرتے ہوئے مریدان سلسلہ قادریہ اور دیگر سلاسل میں منسلک لوگوں کے لئے نہایت مفید ہدایت لکھ گئے ہیں، فرماتے ہیں:

"فضل طریقہ علیہ قادریہ بر جمیع طرق و فضلِ تابعانِ او بر تابعانِ جمیع

---

[1] تفہیمات الٰہیہ، جلد دوم

طرق چہ فضلِ تابع بفضلِ متبوع است و قد قال اللہ تعالیٰ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس وازیں جا ظاہر گردید کہ مرید طریقہ علیہ قادریہ را باوجود مرشد قادری نشاید کہ ارادۂ استفادہ از طرقِ دیگر کند چہ اصحابِ طرقِ دیگر بتوسطِ شریف حضرت غوث الثقلین استفادہ می نمایند و در اول و آخر کار بتوسط جناب ایشاں فتح باب می یابند اگرچہ اقطابِ وقت و نجبارِ ساعت باشند پس اصحابِ طرقِ دیگر اگر استفادہ از طریقہ علیہ قادریہ نمایند در حقِ ایشاں سببِ مزید فیض خواہد بود۔" [2]

خلاصہ یہ کہ سلسلہ قادریہ کو سب سلسلوں پر فضیلت حاصل ہے اور اس سلسلے کے مریدین دیگر سلاسل کے مریدین پر فوقیت رکھتے ہیں، اس لئے کہ تابع کی فضیلت متبوع کے سبب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس (تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں) سلسلہ قادریہ کے مرید کے لئے نامناسب ہے کہ وہ کسی اور سلسلہ کے پیر سے روحانی استفادہ کرے اس لئے کہ تمام سلاسل کے مشائخ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے فیضیاب ہوتے ہیں اور اول و آخر ان ہی کے طفیل ان پر در معرفت وا ہوتا ہے، اگرچہ وہ اقطاب و نجبارِ وقت ہوں۔ ہاں دیگر سلاسل کے لوگوں کا سلسلہ قادریہ کے مشائخ سے استفادہ ان کے لئے فیض

---

[2] مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی نقشبندی، ص ۲۱

کی زیادتی کا موجب ہوتا ہے۔

مولانا قاری شاہ محمد سلیمان پھلواروی چشتی قادری (م ۱۳۵۴ھ) فرماتے ہیں:

"اے عزیز! تم سیر و تواریخ اولیا، اس زمانے تک کی پڑھ جاؤ، دیکھو گے کتنے طریقے پیدا ہوئے، پھران کا زور شور ہوا مگر ظاہر میں اس کا اجرا مسدود ہو گیا بخلاف ہمارے طریقہ شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کے کہ وہ تمام طرق اولیاء میں سما گیا اور ہر طریقے میں اس کی زندگی اور ہر شجر سے میں اس کی تازگی ہے، ہندوستان ہی کے موجودہ طرق و سلاسل کو دیکھ لو، کوئی طریقہ اس کی آمیزش (فیض) سے خالی نہیں، والحمد للہ علیٰ ذالک۔" [1]

شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۷ھ) یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ کا وظیفہ پڑھا کرتے تھے اور ان کی مسجد کی محراب میں بھی یہ مبارک جملہ لکھا ہوا تھا۔ آپ کے ایک مرید مولوی حکیم مظفر حسین قریشی فاروقی ساکن اجنکے ضلع گوجرانوالہ نے اس سلسلے میں اپنے خدشات کا اظہار بذریعہ مکتوب حضرت میاں صاحب سے کیا تو انہوں نے جو مختصر جواب دیا وہ قابلِ توجہ ہے، و هو هذا:

"ہر حال شکر اور ذکر، فکر، عبرت ضروری ہے، سو آج کل محال ہے، اس وسوسے (یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ کے بارے میں خدشہ) میں پڑنا زیبا نہیں، غریب تو پڑھا کرتا ہے، بلکہ کل ولی اللہ سے امداد لینا جائز ہے، آپ کا دل چاہے تو خیر پڑھا کریں۔"

[1] شمس المعارف، طبع کراچی ۱۹۶۹ء، ص ۶۰۲۔

"حضرت میراں محی الدین حضرت شیخ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ عجیب طرز کی توحید میں فنا تھے، اس لئے جو لوگ ان کو یاد کرتے ہیں انہوں کو خداوند کریم کی محبت کامل ہو جاتی ہے، آخیر سب کا رجوع رب کریم کی جانب ہے فاللہ خیر حافظا و هو ارحم الراحمین۔ آپ کا وجود غیرِ خدا سے نہیں رہا ہے، اس کا ثبوت قادری قلندروں سے لیں اگر کوئی نہ پڑھے تو خیر، خداوند کریم کی سنت جاری ہے ہر ایک کو ایک کام سپرد کیا ہے جیسا ہر اک چیز سے کام لیا جاتا ہے ویسا ہی ہے۔" [1]

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایسی ذاتِ گرامی ہے کہ ان کی بارگاہِ اقدس کی ادنیٰ سی گستاخی بھی موجب خسران و خذلان ہے۔ اکابر اولیاء اللہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اس لاڈلے فرزند کا غایت درجہ ادب کرتے ہیں اور جو اس بارگاہِ عالی کے مؤدب نہیں ہیں، انہیں روحانیت سے کوئی علاقہ نہیں اور دین و دنیا کے سخت گھاٹے میں ہیں۔ بارگاہِ غوثیت مآب کی بے ادبی کے انجام کے سلسلے میں سلطان المشائخ حضرت خواجہ خواجگان سید نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۷۲۵ھ) کی ایک روایت ملاحظہ ہو:

"ایک شخص حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی قدس سرہ العزیز کی خانقاہ میں آیا۔ اس نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ خانقاہ کے دروازے پر پڑا ہے اور اس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے اور خراب حالت میں ہیں۔ آنے والا شخص

[1] کلمات قدسیہ معروف بہ فیض نقشبندیہ، از سید شرافت نوشاہی، شائع شدہ از مریدکے ۱۳۹۲ھ، ص ۱۳۷۔

حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے دروازے پر پڑے ہوئے اس آدمی کا ذکر کیا اور حضرت شیخ سے دعا کی درخواست کی حضرت شیخ نے فرمایا خاموش رہو اس نے بے ادبی کی ہے۔ آنے والے شخص نے پوچھا کہ حضرت! اس نے کیا بے ادبی کی ہے؟ حضرت شیخ نے فرمایا کہ وہ ابدال میں سے ہے، کل اس قوت پرواز کے مطابق کہ ابدال کو بخشی گئی ہے، وہ اپنے دو ساتھیوں کی معیت میں ہوا میں اڑ رہا تھا جب وہ تینوں اس خانقاہ کے قریب پہنچے تو اس کا ایک ساتھی اڑتے ہوئے خانقاہ سے ایک طرف ہٹ گیا اور ادب کے طور پر خانقاہ کی دائیں جانب سے نکل گیا۔ اس کا دوسرا ساتھی بھی اڑتا ہوا خانقاہ کی جانب سے نکل گیا، اس نے بے ادبی سے خانقاہ کے اوپر سے گزرنا چاہا لہذا نیچے گر گیا۔“ [1]

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی رفعت و عظمت اور ان کے سلسلۂ عالیہ کی فضیلت و افضلیت کا اولیاء اللہ کے کلام سے اس لئے واضح کی گئی ہے کہ قارئین کرام پر یہ واضح ہو کہ قصیدہ شریف جس عظیم و جلیل بزرگ اور سرور اولیاء کا کلام ہے وہ حضور پُر نور سرور عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کا لاڈلا بیٹا اور نائب ہے اور سرکار دو جہاں سید انس و جاں اس کے ہر دم محافظ و نگہبان ہیں لہذا اس کا کہا اللہ کا کہا ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

---

[1] فوائد الفواد مترجم اردو، شائع کردہ علماء اکیڈمی اوقاف پنجاب، لاہور، ص ٢٢٥۔

قصیدہ خمریہ یعنی غوثیہ کے بارے میں بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ یہ حالت سکر کا کلام ہے مگر پنجاب کے مایۂ ناز عالم اور مشہور ولی اللہ حضرت ابوالفرح محمد فاضل الدین قادری بٹالوی قدس سرہ (م ۱۱۵۱ھ) نے قصیدہ غوثیہ کی لاجواب بے مثال عربی شرح "بیان الاسرار" میں بڑی صراحت کے ساتھ لکھا ہے:

”قصیدہ غوثیہ کلام صحو ہے اور اس میں سکر کا شائبہ تک نہیں ہے۔“ [1]

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ بھی آپ کے کلام کو سکر سے پاک سمجھتے ہیں، فرماتے ہیں:

”رب عزوجل نے حضور کو شطحیات سکر سے محفوظ رکھا اور حضور کے اقوال و افعال و احوال و اعمال سب کو احیائے ملت و اقتضائے سنت کا مرتبہ بخشا، نہیں کہتے جب تک کہلوائے نہ جائیں اور نہیں کرتے جب تک اذن نہ پائیں۔“ [2]

قصیدہ غوثیہ کی حضور غوث پاک سے نسبت کے بارے میں بعض کور باطن لوگوں نے شک کا اظہار کیا ہے اور بعض نے اپنی جہالت کی بنا پر اس کی عربی پر اعتراضات کئے ہیں، ان اعتراضات کے مسکت جوابات اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے رسالہ الزمزمۃ القمریہ میں دئیے ہیں، محققین یہ علمی رسالہ ملاحظہ فرمائیں۔ اس قصیدہ مبارکہ کی نسبت کے بارے میں حضرت مولانا محمد اعظم قادری نوشاہی علیہ الرحمۃ مدفون

---

[1] دربار قادریہ فاضلیہ کا قرطاس التعارف، طبع لاہور ۱۳۸۹ھ، ص ۱۱

[2] الزمزمۃ القمریہ، از اعلیٰحضرت بریلوی، ص ۱۲

میرودال کی تحریر نہایت دلچسپ ہے ، وہو ھٰذا :

"بعض لوگ جب کسی کلام کے معنی نہ سمجھ سکتے ہوں تو وہ اس کے کلام نہ ہونے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کا ثبوت مانگتے ہیں۔ ایسے آدمیوں کا کیا کیا جائے ـــــ ثبوت نسبتی دو طرح پر ہے :

۱۔ کوئی اپنا کلام ہونے کا دعویٰ کرے۔

۲۔ کئی سو سال سے ماسبقین اور صادقین بلاخلاف اس کلام کو کسی بزرگ کی طرف منسوب کرتے چلے آئے ہوں۔

فقہ اکبر ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ایک وجہ سے تو آپ کی ثابت نہیں البتہ ایک زمانہ ان کی طرف منسوب کرتا ہے اگرچہ بعض محققین مخالف ہیں، جامع محمد بن اسمٰعیل بخاری صرف شہرت کے لحاظ سے بلاخلاف ان کی تسلیم کیجاتی ہے، لیکن دوسرا ثبوت نہیں کیونکہ انہوں نے مثل دیگر مصنفین اَلَّفْتُ یا صَنَّفْتُ یا اور کچھ ایسا نہیں کہا۔ جامع کے بعض نسخوں کے شروع میں قال الامام الخ لکھا ہے سو یہ ان کے کسی شاگرد کا لکھا ہوا ہے۔

غنیۃ الطالبین دونوں وجہ سے جناب عالی کا کلام ثابت نہیں کیوں نہ ان کا اپنا دعوٰے ہے نہ اس کی آپ سے نسبت اتفاقی ہے مگر قصیدہ شریفہ کا آپ کا کلام ہونا بہر دو وجہ ثابت ہے، اپنا دعوٰے فرماتے ہیں :

انا الجیلی محی الدین اسمی و اعلامی علی راس الجبال

پھر زیادہ توضیح کے لئے :

انا الحسنی و المخدع مقامی و اقدامی علی عنق الرجال

پھر اس سے بھی زیادہ تشریح کے لئے :

وعبد القادر المشہور اسمی وجدی صاحب العین الکمال

نسبتِ شہرت ؛ شہرت کی یہ حالت کہ کسی کو بھی مجال مخالفت نہیں خدا پرست صاحبانِ کشف والہام، واصل باللہ، مقربانِ بارگاہِ احدیت اور علمائے محققین آپ کے مرید، حلقہ نشین جو سب عالم فاضل، عارف، محدث، فقیہ اولیاء اللہ تھے اور ان سے فیض لینے والے اور ظاہری باطنی نسبت پانے والے مثلاً ایک سرے پر تو علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی نور الدین ابوالحسن مصنفِ بہجۃ الاسرار، اور وسط میں عارفِ نامی مولانا عبدالرحمٰن جامی مصنف شرح کافیہ مشہور بہ شرح ملّا، اور دوسرے سرے پر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسے پڑھتے پڑھاتے اور مانتے اور منواتے چلے آئے ہیں۔ قصیدہ آپ کا قصیدہ ہونا تو حدِ تواتر و شہرت سے آگے ہے، پھر ایسے دعوے اور شہرتِ نسبت بلااختلاف پر شک ہو تو بہت سی دینی کتابیں جو مصنفوں کی جلالتِ قدر اور وفورِ مایہ علمی و عملی پر تسلیم کی جاتی ہیں، ان کی طرف نسبت سے گر جائیں گی، فافہم و انصف و الا فابلِ ؟ [1]

میں اس سلسلے میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ قصیدہ شریف کے بے مثال اثرات اس امر پر شاہدِ عادل ہیں کہ یہ سرکار غوثیت مآب کا کلام ہے۔

---

[1] السعید الیوعی القادری، التعبیۃ الغوثیہ، از مولانا محمد اعظم طبع لاہور ۱۳۴۲ھ، ص ۱۸۔۱۷۔

قصیدہ غوثیہ کو جس طرح زمانۂ قدیم سے اولیاء اللہ پڑھتے اور پڑھواتے آئے ہیں اسی طرح اس نورانی کلام کے رموز و غوامض کو سمجھنے سمجھانے کی خاطر جلیل القدر علماءِ کرام اور اولیاءِ عظام اس کے تراجم و شروح لکھنا باعثِ سعادت سمجھتے رہے ہیں، اور یہ سلسلہ لامتناہی ہے۔ اس موقع پر صرف چند شروح و تراجم کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ شرح قصیدہ خمریہ (فارسی خطی) "تالیف علامہ شیخ فضل اللہ بن روزبہان مصنف سلوک الملوک" (م ۹۲۷ھ) مخزونہ اکادمی علوم لینن گراڈ (روس) نمبر B-۲۱۴۵ (۲۵۹۸ف) مکتوبہ ۱۲۹۹ھ (۳۸ پ، ۵۶ پ)۔ لہ

۲۔ رموز خمریہ شرح قصیدہ غوثیہ (فارسی) از عالمِ ربانی محمد فاضل کالانوری، صفحات ۴۴، مطبوعہ مطبع صبح صادق سیتاپور، سالِ تصنیف ۱۱۰۸ھ، سنِ طباعت ۱۳۰۶ھ، یہ شرح مولانا عبد القادر بدایونی (م ۱۳۱۹ھ) ابن حضرت علامہ مولانا فضل رسول بدایونی (م ۱۲۸۹ھ) کے ایما سے طبع ہوئی۔ اس شرح کے متعلق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"مولانا محمد فاضل کالانوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ معاصر سید علامہ سیدی احمد حموی صاحب غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر نے اس کی شرح (قصیدہ غوثیہ) مسمّٰی بہ رموز خمریہ لکھی اور اس میں ہر لفظ و معنی سے اس قصیدہ کے کلام پاک حضور فرزند صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ فعلیہ و بارک وسلم

لہ اوگنیکین، ۲۶۱/۱ بحوالہ فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی [illegible] جلد دوم مطبوعہ تہران ۱۹۷۱ء ص ۱۲۵۸۔

ہونے کی شہادت دی۔" لہ

۳۔ قصیدہ غوثیہ مترجم پنجابی، از حافظ رانجھا برخوردار، جو پنجاب کے مشہور عالم و عارف تھے، نے تقریباً ۱۱۰۹ھ میں قصیدہ غوثیہ کا پنجابی نظم میں ترجمہ کیا جو غالباً ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ قصیدہ مبارکہ کا یہ منظوم ترجمہ مجموعۂ وظائف مترجمہ حافظ رانجھا برخوردار میں شامل ہے۔ یہ نادر قلمی مجموعہ صاحبزادہ سبط الحسن ضیغم صاحب کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہے۔

۴۔ بیان الاسرار فی شرح القصیدہ للشیخ سید عبد القادر جیلانی (عربی) از حضرت ابو الفرح محمد فاضل الدین بٹالوی (م ۱۱۵۱ھ) بخط غلام رسول مرید مصنف، صفحات ۴۳۰، سطور ۲۰، تقطیع ۵/۸×۱۰-۹، مخزونہ ذخیرہ مولوی شمس الدین مرحوم و مغفور (م ۱۳۰۷ھ) تاجر کتب نادرہ لاہور۔

نوٹ: یہ مخطوطہ مولوی صاحب کی وفات کے بعد کراچی میوزیم منتقل ہو گیا ہے۔

بیان الاسرار قصیدہ غوثیہ کی نہایت مبسوط علمی شرح ہے اور شاید اس سے بہتر آج تک کوئی شرح نہیں لکھی گئی۔ اس نادر و نایاب شرح کا اردو ترجمہ دربار قادریہ فاضلیہ، فاضلیہ کالونی لاہور کی طرف سے شائع ہو چکا ہے مگر کسی اہلِ علم کو دیکھنا نصیب نہیں، خدا جانے اس فیض کو محدود و مسدود رکھنے میں کیا مصلحت ہے؟

۵۔ شرح قصیدہ خمریہ غوثیہ (فارسی) از فخر المحدثین سید شاہ محمد غوث قادری لاہوری (م ۱۱۵۲ھ) — یہ مختصر شرح بڑے عالمانہ انداز میں لکھی گئی ہے۔ اس

لہ النیرۃ الوضیۃ [illegible] ص ۴

کے خطی نسخے متعدد لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ اس کے دو خطی نسخے اکادمی علوم، لینن گراد (روس) میں بھی موجود و محفوظ ہیں۔ [1]

یہ شرح لاہور کے مشہور صوفی بزرگ پیر عبدالغفار شاہ قادری نقشبندی علیہ الرحمۃ (م ۱۳۴۲ھ) خطیب امام مسجد تکیہ کشمیری سادھواں لاہور نے ۱۳۲۹ھ میں طبع کرادی تھی یہ شرح دیگر چند رسائل کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔ اس مطبوعہ شرح کے کل صفحات بارہ ہیں۔

۶۔ شرح قصیدہ خمریہ ، تصنیف محمد بن ملا پیر محمد شیرازی ! نوشتہ ۱۲۹۹ھ؛ مخزونہ اکادمی علوم، لینن گراڈ ۱۲۴۵۔ ۵ (۲۵۹۹ ف)۔ [2]

۷۔ شرح قصیدہ غوثیہ ، از مولانا غلام رسول علیہ الرحمۃ۔

مولانا محمد اعظم قادری نوشاہی نے اس شرح کا یوں تعارف کرایا ہے :

" گزشتہ صدی کے آگے پیچھے حضرت علامۃ الدہر حاوی فروع و اصول مولانا غلام رسول صاحب قدس سرہ ساکن ٹانڈا ضلع ہوشیار پور نے قصیدہ شریفہ کی ایک بہت عمدہ شرح لکھی ہے جو باریک قلم کی لکھی ہوئی گلستان کے حجم کی ہے۔" [3]

مولانا موصوف نے یہ نہیں لکھا کہ یہ شرح قلمی ہے یا مطبوعہ ؛

---

[1] ایضاً ۱/۲۴۶۔ بحوالہ فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی جلد دوم ، ص ۱۲۴۵۔

[2] ایضاً ایضاً۔

[3] القصیدہ الیوسفیہ الفارسی القصیدۃ الغوثیہ ، ص ۱۴۱

۸۔ الزمزمۃ القمریہ فی الذب عن الخمریہ ؛ تصنیف اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ ، صفحات ۴۰ ، سن تصنیف ۱۳۰۶ھ۔

یہ رسالہ متعدد مطابع کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔ اس میں قصیدہ مبارکہ کی سند اور اس کی عربیت کے بارے میں لاجواب بحث ہے اور آخر میں قصیدہ شریفہ کا منظوم ترجمہ و شرح ہے۔

۹۔ قصیدہ غوثیہ ؛ مترجم اردو ، جو قصیدہ بردہ کے ساتھ مطبع عزیزی معروف بہ احمدی دہلی سے باہتمام سید ظہیر الدین عرف سید احمد (نبیرہ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۲۳۳ھ) طبع ہوا۔ اس کی ابتدا میں قصیدہ شریفہ کے فوائد درج ہیں جو غالباً سید احمد صاحب نبیرہ شاہ رفیع الدین کے مرقومہ ہیں، ملاحظہ ہوں :

قصیدہ مبارکہ حضرت غوث الثقلین شاہ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کا جو آپ نے حالت جذبات میں زبان گوہر فشاں سے فرمایا ہے، بہت خاصیتیں رکھتا ہے :

اوّل : یہ کہ جو اس کو ہر روز گیارہ دفعہ پڑھے، اللہ کا محبوب و مقبول ہو۔

دوم : یہ کہ جو اس کا ورد کرے اس کا حافظہ ایسا ہو جائے کہ جو پڑھے یا سُنے ، یاد رہے۔

سوم : یہ کہ اس کے پڑھنے سے عربی کی استعداد زیادہ ہو۔

چہارم : یہ کہ جس مقصد کے لئے چالیس روز پڑھے ، چلّہ نہ گزرے کہ اس کا مقصد حاصل ہو جائے۔

پنجم : یہ کہ جو اس کو اپنے پاس رکھے اور ہر روز تین مرتبہ پڑھے اور جو پڑھنا نہ جانتا ہو، دوسرے سے پڑھوائے اور جیب میں رکھے اور اعتقاد سے ہر صبح کو اس کو دیکھے، ان شاء اللہ تعالےٰ حضرت غوث الثقلین کو خواب میں دیکھے اور اُمراء اور بادشاہ کا مقبول ہو۔

ششم : یہ کہ جس نیت اور مقصد کے واسطے پڑھے مراد حاصل ہو لیکن چاہئے کہ اعتقاد درست ہو اور شروعات سے پہلے کچھ شیرینی پر فاتحہ حضرت کی دے اور پڑھنے سے پہلے یہ درود شریف پڑھے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ مَّعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ مَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ وَصَلِّ عَلَیْہِ۔

نوٹ : اس ترجمہ کا سن طباعت اور مترجم کا نام درج نہیں ہے۔

۱۰۔ شرح قصیدہ غوثیہ : از مولانا خواجہ احمد حسین خاں امروہوی جیبع السلاسل (م ۱۳۶۱ھ) خلیفہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت بریلوی رحمہا اللہ تعالےٰ، شرح اردو نثر اور قصیدہ کا ترجمہ اردو اور فارسی اشعار میں ہے۔ یہ شرح ۱۹۰۸ء/۱۳۲۶ھ میں مطبع ریاضی امروہہ سے طبع و شائع ہوئی۔ [1]

۱۱۔ العصیدۃ الیوسفیہ لتعاری القصیدۃ الغوثیہ : تالیف حضرت مولانا محمد اعظم

[1] مکتوب محترمہ پاشا بیگم صاحبہ دختر مصنف بنام راقم الحروف۔

قادری نوشاہی علیہ الرحمۃ ساکن میروال ضلع شیخوپورہ (م ۱۳۰۵ھ) صفحات ۱۰۴، انجمن لاہور، سن طباعت ۱۳۴۲ھ۔

یہ شرح بھی اپنی نوعیت کی بے مثال شرح ہے۔ اس میں خاص خوبی یہ ہے کہ حضرت غوث پاک کے جن جن فقرات کو معترضین نے صرف دعاوی قرار دیا ہے، فاضل مصنف نے ان فقرات کو احادیث سے لفظاً و معنیً او آثار صحابہ و سلف صالحین سے لفظاً عینیاً مطابق کر دکھایا ہے، قول بہ قول، عمل بہ عمل۔

یہ شرح عرصے سے نایاب تھی، اب اسے ہمارے دوست قاری محمد اسلم سلیم نوشاہی، ادارہ معارف نوشاہیہ اعظمیہ مریدکے منڈی ضلع شیخوپورہ سے طبع کر رہے ہیں جو عنقریب منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱۲۔ تحفۂ محبوب سبحانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی المعروف شرح قصیدہ غوثیہ : از مولانا محمد نظام الدین ملتانی ثم وزیر آبادی، صفحات ۳۲، سن تصنیف ۱۳۵۲ھ، مطبوعہ لاہور۔

اس شرح کی کیفیت یہ ہے کہ قصیدہ کا پنجابی اشعار میں ترجمہ دیا گیا ہے اور اردو میں توضیح کی گئی ہے اور آخر میں مختصر شرح لکھی ہے۔

۱۳۔ قصیدہ غوثیہ، منظوم اردو ترجمہ، از حاجی شمس الدین شائق ایزدی، عرف شمس الہند صوفی منزوی لاہوری (م ۱۹۳۶ء) صفحات ۸، بار اول ۱۹۳۰ء میں کواپریٹو سٹیم پرنٹنگ پریس لاہور میں چھپا۔

ذیل میں چار ایسے شروح و تراجم کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے مصنفین کے نام اور زمانۂ تصنیف معلوم نہیں ہو سکا۔

۱۴۔ شرح قصیدہ عبدالقادر ، قاہرہ دارالکتب ۹۶ زکیہ فارسی و منظومات ۳۴۲/۵ ۔ [1]

۱۵۔ شرح قصیدہ ، مجلس ۵/۷۲۶ ۔ ۳۷ ۔ مورخ ۱۲۴۳ ۔ [2]

۱۶۔ شرح قصیدہ غوثیہ ۔ مخزونہ پنجاب پبلک لائبریری نمبر ۴۲ ، ۲۹۷ ۔ تا ، اوراق ۳۷ ۔ [3]

۱۷۔ شرح قصیدہ غوثیہ ، مخزونہ کتاب خانہ گنج بخش راولپنڈی (پاکستان) اوراق ۴۴ ، نمبر ۱۵۷/۲۹۰ ۔ [4]

۱۸۔ شرح قصیدہ غوثیہ خطی فارسی ، اوراق ۱۵ ۔ منظوم ترجمہ اور منثور شرح ہے۔ [5]

پیش نظر شرح (الجواہر المضیہ فی شرح القصیدۃ الغوثیہ) کی افادیت و اہمیت علامۃ الدہر مولانا ابوالبرکات عبدالمالک رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۰ھ) کے نام نامی و اسم گرامی سے ظاہر ہے۔ اس نادر شرح کے متعلق مولانا محمد اعظم قادری نوشاہی شارح قصیدہ غوثیہ فرماتے ہیں:

---

[1] فہرست نسخہ ہای خطی فارسی از احمد منزوی، طبع تہران ۱۳۴۹ ش، جلد دوم، ص ۱۲۴۵۔

[2] فہرست کتابخانہ مجلس شورای ملی تہران، جلد پنجم، از عبدالحسین حائری، بحوالہ فہرست نسخہ ہای خطی فارسی جلد دوم ص ۱۲۴۵

[3] تفصیلی فہرست مخطوطات فارسیہ، پنجاب پبلک لائبریری لاہور، از منظور احسن عباسی طبع ۱۹۶۳ء، ص ۸۶

[4] فہرست نسخہ ہای خطی کتابخانہ گنج بخش، تالیف محمد حسین تسبیحی، جلد اول، طبع ۱۹۶۱ء، ص ۲۷۶

[5] مخزونہ ذخیرہ حکیم اللہ بخش انصاری استہ نظامی (چک ۸۲ جہانیاں)

"بردہ زمانہ میں قصیدہ شریفہ کی ایک شرح جناب مولوی فاضل ابوالبرکات عبدالمالک صاحب مشیر مال ریاست بہاولپور نے لکھی ہے جو بس غنیمت ہے، تحقیق الفاظ و معانی کی خوب داد دی ہے، صرفی نحوی، عروضی، قراءتی اعتراضوں کو بدلائل عقلی و نقلی اس خوبی سے اٹھایا ہے کہ اگر ترکِ ادبِ اسلاف مانع نہ ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ مذاقِ زمانہ کے مطابق یہ شرح سب سے اچھی ہے۔ فاضل علامہ نے نہایت خلوص و اعتقاد و محبت و وداد سے قلم اٹھا کر علمی شجاعت اور عملی حمایت کا وہ اثر دکھایا ہے جو اس کلام اور متکلم کے شایانِ شان ہے، جزاہ اللہ والبقاء۔" [1]

حضرت علامہ عبدالمالک نے مقدمہ میں تاثیر وردِ قصیدہ شریفہ کے بارے میں حکیمانہ انداز میں گفتگو فرمائی ہے نیز حضور غوث اعظم کے حالات و مقامات عالیہ کو نہایت عمدگی سے تحریر کیا ہے، جزاہ اللہ تعالیٰ۔

علامہ ابوالبرکات عبدالمالک مرحوم و مغفور ساکن کھوڑی ضلع گجرات مشیر مال ریاست بہاولپور پنجاب کے ان چند اساتذہ عربی ادب میں سے تھے جن پر اہل پنجاب ہمیشہ ناز کرتے رہیں گے، علامہ عبدالمالک صاحب کا زمانہ ایسا مبارک زمانہ تھا کہ اس وقت ہر شہر اور ہر قصبے میں جید علماء و فضلاء تشنگانِ علوم دینیہ کی تشنگی دور کرنے میں مصروف تھے اور عربی زبان و ادب کے ماہرین کی بھی کمی نہ تھی ضلع گجرات میں متعدد حضرات عربی زبان و ادب کی خدمات سرانجام دے رہے تھے

---

[1] القصیدۃ الیوسفیہ لقاری القصیدۃ الغوثیہ، ص ۱۴۔

قلعدار کے علماء میں سے مولانا علامہ عبدالکریم (م ۱۳۷۷ھ) اور ان کے خاندان کے دیگر افراد، کھوڑی میں علامہ ابوالبرکات کے والد اور بھائی، چک عمر کے مولانا شیخ عبداللہ (م ۱۹۲۱ء)، بھیں ضلع جہلم کے علامہ محمد حسن فیضی (م ۱۳۱۹ھ) اور ان کے فرزند مولانا فیض الحسن (م ۱۳۴۷ھ)، لاہور میں مولانا محمد الدین فوقی مصنف روضۃ الادبا (م ۱۳۱۶ھ) اور علامہ اصغر علی روحی (م ۱۹۵۴ء) اور امرتسر میں علامہ مولانا محمد عالم آسی (م ۱۳۶۳ھ) وغیرہ رحمہم اللہ علیہم اجمعین، یہ سب حضرات فن ادب میں ایسی کامل دستگاہ رکھتے تھے کہ اگر انہیں آسمانِ علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا:

ان سب حضرات کے حالات و کمالاتِ عالیہ پر کام ہونا چاہئے۔ فاضل محترم حکیم محمد مظفر علی صاحب زید مجدہ نے حضرت علامہ ابوالبرکات عبدالمالک صاحب کے حالاتِ زندگی مختصراً تحریر فرمائے ہیں جو اس کتاب میں درج ہیں حکیم صاحب موصوف کو اس فاضلِ اجل بزرگ پر تفصیلی کام کرنا چاہیے۔

الجواہر المضیہ فی شرح القصیدۃ الغوثیہ از علامہ عبدالمالک رحمہ اللہ کے طابع و ناشر الحاج پیر سید محمد حسن شاہ قادری گیلانی نوری مدظلہ ابن الرشید پیر طریقت حضرت مولانا سید محمد معصوم شاہ قادری نوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۸ھ) سجادہ نشین چک سادہ شریف (گجرات) مالک نوری بکڈپو، لاہور کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ انہوں نے قصیدہ غوثیہ مقدسہ کی یہ بہترین شرح طبع کر کے طالبانِ فیضِ غوثیت مآب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ایک دیرینہ آرزو پوری کر دی ہے۔ میرے

مکرم و محترم بزرگ حضرت الحاج مولانا پیر غلام قادر چشتی اشرفی قادری ضیائی زید مجدہٗ مقیم لالہ موسیٰ ضلع گجرات بھی سپاس گزاری کے مستحق ہیں کہ انہوں نے یہ نایاب شرح طباعت کے لئے مہیا فرمائی۔

حضرت مولانا غلام قادر اشرفی صاحب زبدۃ العارفین حضرت مولانا شاہ محمد علی حسین چشتی قادری اشرفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۵ھ) سجادہ نشین کچھوچھہ شریف کے مرید ہیں اور شرفِ خلافت و اجازت سے بھی سرفراز ہیں، نیز شیخ العرب والعجم سیدی حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری رضوی مہاجر مدنی مدظلہ العالی خلیفہ مجاز امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ سے اجازت یافتہ ہیں۔

حضرت مولانا غلام قادر کے والد ماجد مرحوم و مغفور قطبِ دوراں، سراج السالکین عمدۃ الکاملین حضرت میاں محمد شاہ چشتی نظامی قدس سرہ (م ۱۳۳۲ھ)، مدفون بسی نو متصل ہوشیار پور (مرشد ارشد شیخی و مرشدی شیخ العصر حضرت الحاج مولانا علامہ میاں علی محمد خاں چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ م ۱۳۹۵ھ) سے بیعت تھے۔ مولانا ئے موصوف زید شرفہ قادری اور چشتی نسبتوں کے لحاظ سے مجمع البحرین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چشتی شریف کو آپ محفلِ سماع میں نظر آتے ہیں تو گیارہویں شریف کو ختمِ غوثیہ میں مستغرق دیکھے جاتے ہیں اور نسبتِ قادریہ ہی کی بنا پر آپ مرکزی مجلسِ رضا لاہور کے خصوصی معاون ہیں۔

جزاہ اللہ تعالٰی احسن الجزاء

صوفی محمد رضا المصطفےٰ چشتی المتخلص بہ رضا و نصیری ساکن کوٹلی لوہاراں مغربی

مؤلف "سوانح حضرت میاں علی محمد خان رحمۃ اللہ علیہ" اور عزیز محترم قاضی صلاح الدین رضوی ضیائی صاحب کا ذکر کرنا بھی ازبس ضروری ہے۔ یہ حضرات اس شرح کی طباعت کے سلسلے میں گہری دلچسپی لیتے رہے ہیں، جزاہما اللہ تعالٰی احسن الجزاء۔

احقر راقم السطور یہ ہدیۂ عقیدت (مقدمہ) سلسلۂ عالیہ قادریہ کے شیخِ کبیر سیّدی حضرت مولانا ضیاء الدین احمد قادری رضوی مہاجر مدنی زید مجدہ کے توسط سے سلطان الاولیاء سیدنا حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور بصد ادب و احترام پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے ؏

گر قبول افتد زہے عزو شرف

آخر میں یہ دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بطفیل حضرت غوث اعظم قدس سرہ قارئین کرام اور احقر راقم السطور کو غریق بحر غفران فرمائے ؏

ایں دعا از بندہ آمین از فلک

پرسش از بغداد اجابت از فلک

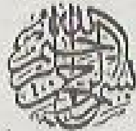
لاہور۔ یوم وصال غوث اعظم رضی اللہ عنہ[2]
۱۱ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ

گدائے کوئے غوث دو جہاں
محمد موسیٰ عفی عنہ

---

[1] مولانا محمد رضا المصطفےٰ صاحب چشتی نظامی مدظلہم ابن حضرت پیر سید محمد معصوم شاہ صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات بھی ترتیب دے رہے ہیں۔

[2] حضرت غوث اعظم کی تاریخ وصال میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک ۹ تاریخ صحیح ہے اور بعض ۱۱ بتاتے ہیں۔ حضرت مولانا ... شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ۱۱ کو صحیح قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو "اخبار الاخیار" (فارسی) مجتبائی ... ۱۳۰۹ھ، ص ۲۰۳



الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

الجواہر المضیۃ

فی شرح

القصیدۃ الغوثیۃ

مصنف

ابو البرکات محمد عبد المالک مشیر مال ریاست بہاولپور

نوری کتب خانہ ... لاہور

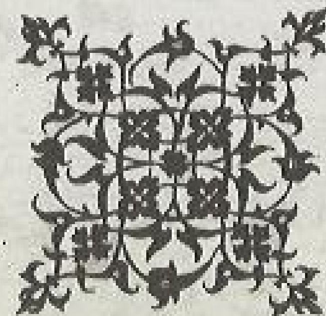
نذر

گدائے بینوا۔ درویش بے دست و پا۔ دلی عقیدت و ارادت سے یہ بضاعتِ مُزجاۃ حضرت غوث الثقلین ابو محمد شیخ عبد القادر محی الدین جیلانی قدس اللہ سِرّہُ العزیز کی بارگاہ میں بامید قبول پیش کرتا ہے۔

غوثِ اعظم قبول فرمایند | از منِ بندہ خستۂ دل ریش
جُز ازیں نیستم چیزے در دست | برگِ سبز است تحفۂ درویش

۲۷ ربیع الثانی ۱۳۳۹ ہجری
بہاول پور

مسکین محمد عبد المالک
عفی عنہ



ھو القادر



اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْقَادِرِ ذِی الْقُوَّةِ الْمَتِیْنِ الَّذِیْ اَرْسَلَ الْاَنْبِیَاءَ بِالْهِدَایَةِ وَالتَّلْقِیْنِ وَوَلَّی الْاَوْلِیَاءَ لِاِحْیَاءِ الدِّیْنِ ۝ وَاَظْهَرَ الْمُعْجِزَاتِ وَالْکَرَامَاتِ بِاَیْدِیْهِمْ تَنْبِیْهًا لِلْمُنْکِرِیْنَ ۝ وَالصَّلٰوةُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ خَیْرِ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

قصیدہ غوثیہ حضرت غوث الثقلین قطب الاقطاب شیخ محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز کے ملفوظات سے ربع دنیا میں مشہور و معروف ہیں ایسا کلام معجز نظام ہو جس کے یمن و برکت سے دینی و دنیوی مشکلات حل ہوتی ہیں۔ اس کا ہر ایک شعر مطلع فتوحاتِ ازلی و منبع عیونِ علم یزلی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص خلوص دل سے اس کا ورد کرے۔ اور اس کے مقاصد دلی حاصل نہ ہوں۔

حَاشَاهُ اَنْ یُّحْرَمَ الرَّاجِیْ مَکَارِمَهٗ
اَوْ یَرْجِعَ الْجَارُ مِنْهُ غَیْرَ مُحْتَرَمٖ

عرب و عجم کے ارادت مند اس کے ورد سے اعلیٰ مدارج پر فائز ہوتے ہیں جس طرح وظائف و اوراد کے لئے پاک لباس و طہارت بدن و خلوص دل لازم ہی اسی طرح

ف یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ کا امیدوار عنایات محروم رہے۔ یا آپ کا پناہ گزیں آپ کے دروازے سے بے توقیر واپس آئے۔

معانی و مفہوم کا جاننا اور قرأت کے وقت اُن کا استحضار واجب ہے۔ کیونکہ مقصود بالذات حصولِ مطلب کے لئے معانی ہیں نہ الفاظ۔ وظائف و اوراد کے برکات کا ظہور اُسی صورت میں ہوتا ہے جب آداب و ترتیب و شرائط کو ملحوظ رکھا جائے۔ اور جبتک وظائف کو اخلاص سے بلحاظ معانی نہ پڑھا جائے۔ آداب و شرائط کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

تاثیرِ وردِ قصیدہ

ظاہر بین آیات۔ احادیث۔ قصائد۔ اوراد کی تاثیر سے منکر ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ قدرت کی تبدیلی میں ان کو کیا دخل ہے یہ خیال اُن کا غلط ہے چونکہ وہ حقائق کو عمیق نگاہ سے نہیں دیکھتے اور آئینہ دل کو عبادت الٰہی اور نورِ معرفت سے روشن نہیں کرتے اس لئے ہمیشہ اس غلطی میں مبتلا رہتے ہیں یہ لوگ عقلی دلائل پر انحصار رکھتے ہیں اسلئے روحانی تصرفات کے مشاہدہ سے محروم رہتے ہیں۔ ان کا خیال اسی حد تک محدود ہے کہ ہر ایک امر کے لئے عقلی دلیل کی ضرورت ہے۔ سب سے بہتر طریق ان کے اطمینان کا یہ ہے کہ وہ کسی عارف سے رُوحانی امور کا سبق اسی طرح حرف بحرف پڑھیں جس طرح انہوں نے ظاہری علوم و فنون کو ابجد سے شروع کر کے حاصل کیا ہے۔ مگر اس طرف تو وہ مطلقاً توجہ ہی نہیں کرتے۔ لیکن ہم اُن کو چند بدیہی دلائل سے قائل کرتے ہیں کہ کلام میں ضرور تاثیر ہوتی ہے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ہر ایک چیز حیوانات۔ نباتات اور جمادات میں ایک دلکش تناسب ہے جس کا اثر انسان کے دل پر پڑتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے انسان

کے خیالات میں تبدیلی واقع ہوتی ہے جس سے اُس کے افعال و اعمال کی ترتیب بدل جاتی ہے۔

سنگِ مرمر کا مینار کیوں مرغوب ہوتا ہے؟ اس لئے کہ سنگِ مرمر کے اجزائے ترکیبی اور رنگ میں تناسب ہوتا ہے۔ اور پھر مینار کے نقشہ میں ایک اور تناسب نورٌ علیٰ نور ہے۔ جو دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈالتا ہے۔ صنوبر و سرو کا درخت کیوں دلربا ہے؟ اس لئے کہ اس کی شاخوں اور قد و قامت میں تناسب ہے۔ بلکہ اس کے پتوں کی رگوں میں بھی تناسب ہے۔

عربی گھوڑا کیوں خوشنما ہے؟ اس لئے کہ وُہ تناسب کا مجسّمہ ہے۔

ایسا ہی جس قدر کسی انسان کے اعضا میں تناسب تقریبی ہوگا وہ اُسی قدر خوبصورت ہوگا۔

زمین۔ سورج۔ چاند۔ دیگر ستارے تناسب ہی کی وجہ سے دلکش ہیں۔

تناسب کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ ہم اس کی تشریح نہیں کر سکتے۔ تناسب ابعاد و مناظر میں ہی محدود نہیں بلکہ مافوق الابعاد والمناظر میں بھی ہے۔

آواز۔ الفاظ۔ حرکات۔ سکنات۔ میں بھی تناسب ہوتا ہے۔ نسیم سموم کی آواز جو پتوں کے تصادم سے پیدا ہوتی ہے۔ ایک ہی کیفیت کی ہے۔ مگر چونکہ نسیم میں تناسب ہے اس لئے وہ خوش کن اور سموم (جس میں تناسب نہیں) ناگوار ہے۔

باپ کو دو سالہ بچے کی بات [illegible] کا تلفظ بھی درست نہیں ہے اگر مبتدا ہے تو خبر نہیں۔ خبر ہے تو مبتدا نہیں) کیوں مقبول ہے۔ اس لئے کہ اس میں تناسب دلربائی ہے۔

ایک مکار (جو اعلیٰ درجہ کا فصیح و بلیغ ہے) کی تقریر کیوں نامطبوع ہے۔ اس لئے کہ وہ تناسب سے معرّا ہے۔

مثنوی مولانا رُوم، قصائد عرفی سے کیوں زیادہ مقبول ہے اس لئے کہ اس میں رُوحانیت کا بہترین تناسب ہے۔ اور قصائد عرفی میں ادنیٰ درجہ کا۔

گلاب کا پھول کیوں زیادہ خوشنما ہے اس لئے کہ اس کے پتے پتے میں اور ہر پتے کے رنگ و بو میں حقیقی تناسب ہے۔ ایسا ہی ہر پھول کا حال ہے۔ ؎

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

بُلبُل کی آواز بھلی اور کوّے کی بُری کیوں ہوتی ہے۔ اس لئے کہ بُلبُل کی آواز میں تناسب طبعی موجود ہے۔ اور کوّے کی آواز میں تنافر۔

اس سے ثابت ہوا کہ خارج میں ایک تناسب ہے جو ہر چیز میں کم و بیش پایا جاتا ہے وہ پہلے خیالات کی ماہیت پر اور اُس کے بعد حقیقت نفس الامری پر اثر ڈالتا ہے۔ پھر یہ تناسب طبائع انسان کے مذاق سے مختلف ہوجاتا ہے۔ اس سے اس کی وُسعت اور بڑھ جاتی ہے۔ تناسب کی بحث میں کئی جلدیں لکھی جاسکتی ہیں۔

اس سے ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ نہ صرف مجسمات میں بلکہ الفاظ میں بھی تناسب ہوتا ہے۔ ایک شعر پر (جس کو مختلف مجالس رند و تقویٰ میں ایک مغنیہ گاتی ہے یا صوفی پڑھتا ہے) رند خرابات اور عارف باللہ دونو یکساں محو ہوجاتے ہیں۔ اور محویت کے عالم میں رقص کرتے ہیں۔ اور ان کی حالت متغیر ہوجاتی ہے۔

پس جب ظاہر میں اس قسم کے شعبدے تاثیر کلام کے روزمرّہ دیکھتے ہیں۔ تو وہ کس اصول پر انکار کرتے ہیں کہ کلام میں تاثیر نہیں۔ مدح سے انسان کا خوش ہونا اور ہجو سے

ناراض ہونا کلام کی تاثیر نہیں تو کیا ہے؟

مغنیہ کی راگنی پر امیروں کا دولت و مال نثار کرنا۔ اور مجلس متقین میں ایک آیت پر درویش کا اپنی گدڑی پھینک دینا کلام کا اثر نہیں تو کیا ہے؟

اس کی بیشمار مثالیں ہیں۔ ایک نظم نے دنیا کا خیال پلٹ دیا۔ اور ایک شعر نے ہزاروں کو تارک الدنیا کر دیا۔

پس ایسے واقعات کے ہوتے یہ کہنا کہ کلام میں اثر نہیں ہوتا بدیہیات کا انکار ہے۔

جو عابد یا راہب کلام اللہ شریف یا انجیل کا ورد کرتے ہیں۔ اُن کے دل کو دنیا سے کس چیز نے پھیر دیا ہے؟ اسی کلام نے اور اس کلام کو کس نے مؤثر بنایا؟ اُسی تناسب نے۔

پس قرآن۔ احادیث۔ قصائد نعتیہ وغیرہ میں جیسا کہ ظاہر اثر ہے ایسا ہی باطنی اثر ہے جس سے بحکم خدا امور خارجی میں بھی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ حدیث و قرآن شریف کی آیت ذیل سے یہ تاثیر ثابت ہوتی ہے۔ اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا [1] لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ [2]

جو حکام حقوق کا فیصلہ کرتے ہیں وہ روزمرّہ دیکھتے ہیں کہ بعض مقدمات میں ایک فصیح و بلیغ وکیل یا فریق مقدمہ اس طرح تقریر کرتا ہے کہ توجہ اس کی طرف منعطف ہوجاتی ہے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی تقریر میں حقیقی تناسب پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ایک حکیم بلاغت طبی سے نبات کی مضرت اور کونین کی منفعت اس طرح بیان کرتا ہے کہ نبات بُری اور کونین اچھی معلوم ہوتی ہے۔

---

[1] بیشک بعض کلام کی تاثیر جادو کی ہوتی ہے [2] اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو تو دیکھتا کہ پہاڑ خدا کے خوف سے دب جاتا اور پاش پاش ہوجاتا پ ۲۸ ع ۶

نوٹ: آئندہ

کلام کو عربی میں اس لئے کلام کہتے ہیں کہ یہ دل پر زخم کرتا ہے ؎

جُرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ ۔ وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

اگر ایک شخص اپنے فصیحانہ الفاظ سے دشمن یا مخالف کو مطیع کر سکتا ہے۔ تو وحیِ الٰہی کا کلام بھی ایسی تاثیر رکھتا ہے۔

اگر حدی سے اونٹ جیسا جانور مست ہو جاتا ہے تو انسان بھی شعر سے متاثر ہو سکتا ہے۔ آیات۔ احادیث۔ قصائد اور اوراد میں لاریب تاثیرات ہیں۔ اور اُن کا منکر وہی ہو سکتا ہے۔ جو روحانیات سے بے بہرہ ہے۔ مگر اثر کے لئے شرائط و آداب ضروری ہیں۔

ہر ایک جانتا ہے کہ گندم کا تخم زمین میں بویا جائے تو گندم پیدا ہوتی ہے۔ مگر اس کے لئے بھی شرائط ہیں۔ تخم کا اچھا ہونا۔ موسم پر کاشت کرنا۔ زمین میں نمی ہونی۔ وقت پر آبپاشی کرنا۔ اگر ان میں سے ایک شرط بھی پوری نہ ہو تو نقص عائد ہوتا ہے یہی حال تاثیر کا ہے۔ اگر شرائط و آداب وظائف بجا لائے جائیں تو تاثیر یقینی ہے۔

بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں کہ ہم اُن لوگوں کو جو اُن کے اصول سے بالکل ناواقف ہیں کسی صورت میں نہیں سمجھا سکتے بجز اس کے کہ پہلے ہم ان کے مبادی سمجھا دیں۔ اگر ہم ایسے شخص کو جو علم ریاضی سے مطلقاً ناواقف ہے یہ سمجھانا چاہیں کہ مثلث کے تینوں زاویے مل کر دو قائمہ کے برابر ہوتے ہیں۔ اور مثلث کے دو ضلعے مل کر تیسرے ضلع سے بڑے ہوتے ہیں نہیں سمجھا سکتے جب تک ہم اس کو اقلیدس کے وہ اصول و اشکال نہ سمجھا دیں جن پر یہ مسائل موقوف ہیں۔ تو کیا اس حالت

ؔ نیزہ اور تلوار کا زخم تو اچھا ہو سکتا ہے۔ مگر زبان کا زخم اچھا نہیں ہوتا۔

میں اس ناواقف کو جو نہ اصول اور نہ پیمانہ مساحت کے طریق سمجھنے کی کوشش کرتا ہے یہ حق ہو سکتا ہے کہ ان نتائج کے وجود سے ہی انکار کر دے۔

پس یہی حالت ظاہر بینوں کی ہے کہ نہ تو وہ صحبتِ اہل اللہ میں آکر ان شرائط و آداب کی پابندی اور نہ اُمورِ روحانی پر واقف ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔

کلام الٰہی کی تاثیر کے ثبوت کے لئے یہ کافی ہے کہ وُہ اس ذات کا کلام ہے جو تمام دنیا کا خالق اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اور سرچشمۂ فیوض و برکات و تصرفات کلیہ کا مالک ہے۔

صحیح بخاری باب فضل فاتحۃ الکتاب میں ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ہمارا قافلہ ایک جگہ اترا ہوا تھا ایک لڑکی آئی اور اُس نے کہا کہ ہمارے سردار کو سانپ ڈس گیا ہے تم میں کوئی ایسا ہے کہ اُس پر منتر پڑھے ہم میں سے ابن سعیدؓ لڑکی کے ساتھ گیا۔ اور سردار قبیلہ پر فاتحۃ الکتاب پڑھ کر دم کیا۔ خدا نے اُس کو اچھا کر دیا۔ سردار قبیلہ نے اس صلے میں اُس کو تین بکریاں دیں۔ جس کو حضور علیہ السلام نے بھی جائز رکھا۔ اور ان بکریوں میں اپنا حصّہ مقرر کیا۔ اس سے ثابت ہے کہ کلام الٰہی میں تاثیر ہے۔ اور جس قرآن شریف نے کفر و نفاق کی بدترین مرض کو دور کر دیا ہو کیا اس کی برکت ظاہری بیماری کو اچھا نہیں کر سکتی؟ حدیث حضور علیہ السلام کا کلام ہے جو مظہر انوارِ الٰہی و مصدر اسرارِ ربانی ہیں۔ ایسے مبارک نفس (جن کی زبان فیض ترجمان سے لاکھوں آدمی بادیہ ضلالت سے نکل کر شاہراہ ہدایت پر آئے) کے کلام میں یہ "اثر بہرحال تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ کہ اس کے پڑھنے اور توسل سے انسان کی ظاہری و باطنی بیماری دور ہو جاتی ہے۔ اور مقاصد دین و دنیا

حقائق نفس الامری کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ اور اہل اللہ کی صحبت میں باخلاص دل حاضر ہو کر اس تاریکی شک و شبہ سے نجات حاصل کرنی چاہیئے۔

کسے کز ملکِ معنی در رسد خود را بُوَد بِنا — کہ گر مس و نمائی کیمیا را ارمغاں بینی
بہ نزہت گاہِ معنی میہماں شو تا ز استغنا — مگس را باز ازاں در دست براطرافِ خواں بینی
سرِ روحانیاں داری وے خود را ندیدستی — بجوئے آب خود در آ تا قبلۂ روحانیاں بینی
اگر عادت بہ ترتیبِ فصوص از وزن بخود — ازاں رحمت بباغ آرد کہ گل را او خزاں بینی
بدام اندر کشیدند اہلِ معنی طائرِ دولت — تو در زیرِ درختاں ہمچو طفلاں آشیاں بینی
گہر جویند غواصانِ فطرت در تہِ دریا — تو در فکرِ ہمیں دائم کہ از دریا کراں بینی
دگر جز نورِ خورشید ازل در ظرف ہر دیدہ — یا بہ دیدۂ مرداں نگر تا عکسِ آں بینی
نو خفاشی ز نورِ مہ قیاس نورِ خور مے کن — ترا سودا ایں بود گر نورِ خورشید زیاں بینی

اُصولِ ترجمہ

چونکہ اس قصیدہ کے رموز و معانی مشکل اور اکثر ترجمے غلط تھے۔ اس لئے میں نے حضرت کے مریدین کے لئے (جس میں علما و فضلا اور عام لوگ شامل ہیں اور جن کی تعداد لاکھوں تک ہے) ایسی شرح لکھنے کا ارادہ کیا، جو ہر طبقہ کے لئے مفید ہو۔ میں نے کئی نسخے قصیدہ شریف کے سامنے رکھ کر تصحیح کی چونکہ میری شرح قصیدہ بُردہ کو بطفیل حضرت رسالت مآب صلعم ہر طبقہ میں درجہ قبولیت حاصل ہوا ہے اس لئے میں نے وہی اسلوب اس شرح میں اختیار کیا کہ پہلے ہر ایک لفظ کے لغوی و اصطلاحی معنی بہ سند کتب لغت لکھے اور پھر صرفی

اسی طرح جن ارادت مندان بارگاہِ رسالت نے حضور علیہ السّلام کی بارگاہ پر صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کا فرض مختلف فصیح و بلیغ عبارات و معانی میں ادا کیا ہے ان میں بھی وہی رحمت لزوماً پائی جاتی ہے جو ابتدا میں نازل ہوئی تھی۔

اسی وجہ سے دلائل الخیرات۔ درود مستغاث۔ درود کبریت احمر، درود تاج وغیرہا میں صریح اثر پایا جاتا ہے۔ اور لاکھوں آدمی جو بشرائط مقررہ ان کا ورد کرتے ہیں، برکات سے مستفیض ہوتے ہیں۔

علاوہ اس کے ایک اور دلیل بدیہی یہ ہے کہ جس عمل کا اثر متواتر اور کثرت سے پایا جائے وہ اُس کے تاثیرات کے اثبات کی دلیل ہے جس طرح کہ بعض ادویہ بعض امراض کے لئے مجرب ہوتی ہیں۔ اسی طرح کلام بھی مقاصد و امراض وغیرہ کے لئے فائدہ بخش ہے۔

البتہ بعض صورتوں میں جو اثر کا ظہور نہیں ہوتا۔ اس سے یہ قیاس نہ کرنا چاہیئے۔ کہ اثر مفقود ہو گیا ہے بلکہ یہ خیال کرنا چاہئے کہ کوئی شرط جیسا کہ چاہئے ادا نہیں کی گئی۔

جیسا کہ ادویہ میں دیکھتے ہو۔ کہ کئی ادویہ بعض امراض کے لئے مجرب ہیں لیکن بعض شخصوں پر اُس دوا کا اثر نہیں ہوتا۔ تو اس کی وجہ یہ نہیں ہو سکتی۔ کہ اس دوا میں وہ اثر نہیں رہا۔ بلکہ بقول اطبا، یا تو اس دوا کی ترتیب میں فرق ہے یا مریض نے اس کو جیسا کہ چاہیئے تھا استعمال نہیں کیا۔ یا اس کی طبیعت اس دوا کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

بایں ہمہ اگر کسی کو انکار ہو تو پھر ہم یہ کہینگے کہ اس کو اطمینان کے لئے

حاصل ہوتے ہیں جن صلحا نے خدا تعالیٰ اور حضرت رسول اللہ صلعم کے شان میں مناجات یا نعت لکھی ہے، اور لکھنے کے وقت اُن کے دل میں عجز و اخلاص کا جوش تھا جس پر خداوند تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ[1]۔ اگر کوئی شخص اس مناجات یا نعت کو اپنے کسی مقصد کے لئے پڑھے تو چونکہ خداوند تعالیٰ کی رحمت کو اس عجز و اخلاص کے ساتھ جو اس کلام میں مضمر ہے ایک نسبت ہوتی ہے۔ پس وہی نسبت ایسے کلام میں ظاہر ہوتی ہے جبکہ اس کا وظیفہ کیا جاتا ہے۔ میں آپ کو ایک حسی مثال دیتا ہوں کہ گراموفون کی تھالی میں کسی چیز کی آواز ضبط کی جاتی ہے پھر جب کبھی تھالی پر سوئی پھیری جاتی ہے۔ تو اسی لب و لہجہ اور تلفظ کا ظہور ہوتا ہے جو اصل آواز کا تھا۔ اسی طرح جب کسی مخلص کے کلام کو دوہرایا جاتا ہے۔ تو اس سے بھی اسی تاثیر کا ظہور ہوتا ہے جو ابتدا میں تھا۔ گویا وہ تاثیر اس کلام کا جزو ہو جاتی ہے۔

ہر ایک شخص اپنے عزیز رفتگان کی اُن چیزوں کو جو اُن کی صحبت میں استعمال کی جاتی تھیں یاد کر کے اپنے دل میں وہی اثر پیدا کرتا ہے جو اُن کی زندگی میں تھا۔ بہت سے لوگ مکانوں کو دیکھ کر تحسر کا اظہار کرتے ہیں۔ عرب کا بہت حصہ ادب ایسی واقعات کا مظہر ہے۔ ایک شاعر نہایت حسرت سے جبکہ اپنے معشوق کی منزل کے کھنڈرات اور ریت کے ٹیلوں میں سے گذرتا ہے تو اپنے ہمراہیوں کو کہتا ہے۔ کہ ٹھہر جاؤ کہ یہاں اپنے معشوق اور اُس کے گھر کو دیکھ کر رو لیں۔[2]

قِفَا نَبْكِ مِنْ ذِكْرَى حَبِيبٍ وَمَنْزِلِ ۔ بِسِقْطِ اللِّوَى بَيْنَ الدَّخُولِ فَحَوْمَلِ

[1] اور کہا رب تمہارے نے مجھ کو پکارو میں تمہاری پکار کو سنوں گا پ ۲۴ سورہ مومن۔ [2] ذرا ٹھہرے ہو جاؤ کہ دخول اور حومل کے درمیان (جہاں ریت کے ٹیلوں کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے) معشوق اور اسکے گھر کو یاد کر کے رو لیں

میں اس امر کی ضرورت خیال کرتا ہوں کہ حضرت غوث الثقلین قدس اللہ سرہ العزیز کی مختصر سیرت کا چند مقالات میں ذکر کروں جو باعث تیمن و تبرک ہے۔ نیز جو لوگ حضرت قدس اللہ سرہ العزیز کے صفات و برکات کے مشتاق ہیں۔ ان کے لئے موجب ازدیاد ارادت و عقیدت ہو۔

مقالہ اولیٰ

ولادت

آپ کا تولد ۴۷۱ھ میں قصبہ نیف پرگنہ جیلان میں (جب کہ آپ کی والدہ ماجدہ کی عمر ساٹھ سال کی تھی) ہوا۔ اسی وجہ سے آپ بہ لقب جیلانی مشہور ہوئے۔ حقیقت میں اس عمر کی عصمت پناہ عفت پرور بی بی سے قطب زمان کا پیدا ہونا قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ[1] کی تصدیق ہے۔ آپ نے ماہ رمضان میں زمانہ شیر خواری دن کے وقت کبھی والدہ ماجدہ کا دودھ نہیں پیا تھا چنانچہ یہ واقعہ یہاں تک مسلم ہوا کہ ایک دفعہ رویت ہلال رمضان میں اختلاف واقع ہوا۔ لوگوں نے حضرت کی والدہ ماجدہ سے دریافت کیا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ آج آپ نے دودھ نہیں پیا۔ سب نے یہ خیال کر کے کہ اگر چاند نہ ہوتا تو حضرت دودھ پیتے روزہ رکھا یہ واقعہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ[2]

[1] زکریا نے کہا بار خدایا مجھے کس طرح بیٹا عطا ہوگا۔ حالانکہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہو گئی ہے جبرئیل نے جواب دیا کہ پروردگار کا حکم اسی طرح ہے۔ تعجب مت کر خدا تعالیٰ جس طرح چاہے کر سکتا ہے پ ۳۔ ع ۱۲
[2] اے ایمان والے فرض کیا گیا ہے تم پر روزہ (رمضان کا) جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم ڈرو

طریقِ تلاوت

تلاوت کے طریق مختلف ہیں۔ ہر ایک شخص اپنے مرشد سے مجاز ہوتا ہے یا ؤ اجازت حاصل کرسکتا ہے۔ ضروری شرائط پاک بدن۔ پاک لباس۔ باوضو۔ اکل حلال ہیں۔ اور قصیدہ سے پہلے درود شریف اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ مَعْدَنِ الْجُوْدِ وَالْکَرَمِ وَمَنْبَعِ الْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالْحِکَمِ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ ط پڑھنا واجب ہے۔ اس کا وظیفہ ہر ایک مشکل دینی ودنیوی کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے پر چونکہ طریق وظیفہ و تعداد ہر ایک مقصد کے لئے مختلف ہوتی ہے۔ اس لئے جس شخص کو جس مطلب کے لئے پڑھنا مطلوب ہو وہ کسی اہل اللہ سے اس کی اجازت حاصل کرے۔

عالمِ رُؤیا میں اس شرح کی نسبت بشارتِ قبولیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اس شرح کی قبولیت کی مجھ کو یہ بشارت دی گئی ہے کہ عالمِ رؤیا میں مجھے بارگاہ حضرت شیخ عبد القادر محی الدین جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز میں بحیثیت شارح قصیدہ غوثیہ پیش کیا گیا۔

میں اس نعمت پر خداوند کریم کا شکر ادا کرتا ہوں جس سے مجھ کو یہ اطمینان ہو گیا ہے کہ یہ قصیدہ حضرت کی تصنیف ہے اور حضرت کو مجھ ناچیز سے شرح لکھوانی منظور ہے۔ اگر اس شرح میں کوئی غلطی یا سہو ہو۔ تو علمائے کرام بنظر کرم اس کی اصلاح فرمائیں وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ ہ

نحو کے قواعد کو بیان کیا۔ اس کے بعد ہر ایک شعر کا ترجمہ وتشریح لکھی اور تصوف کے اصطلاحات کی جو اس قصیدہ میں تھے۔ توضیح کی۔ اور جو اعتراض عروض یا صرف ونحو کا کسی شعر پر وارد ہوتا تھا اس کی تردید بشواہد اشعار فصحائے عرب کے یہ ثابت کیا کہ معترضین کا اعتراض عدم وسعتِ نظر یہ علم ادب و عروض پر مبنی ہے۔

ایسے لوگوں کی سہولت کے لئے جو ہر روز اس کا وظیفہ کرتے ہیں مفصل شرح سے پہلے قصیدہ شریفہ کو مع ترجمہ ومختصر شرح یکجا لکھ دیا ہے۔ تاکہ ان کو طویل شرح کے دیکھنے کی عام طور پر ضرورت نہ رہے۔ اگر کسی کو کسی لفظ کی تحقیق یا کوئی مسئلہ تصوف متعلق کسی شعر کے دیکھنا مطلوب ہو تو اس شعر کی مفصل شرح سے مستفید ہوسکتا ہے۔ یہ بہت ضروری تھا۔ اور خاص طور پر میرے بعض احباب نے اس کی فرمائش کی تھی۔ جب میں نے ہر ایک لفظ کا لغوی واصطلاحی معنی بیان کر دیا۔ تو اب میں اس امر کا پابند نہیں تھا کہ لفظی ترجمہ کرتا کیونکہ مقصود بالذات عام لوگوں کو (جو عربی زبان اچھی طرح نہیں جانتے) مفہوم شعر سے آگاہ کرنا تھا۔ اور وہ اس صورت میں ہوسکتا تھا کہ میں تحت لفظی ترجمہ چھوڑ کر شعر کا عام مفہوم سادہ الفاظ میں تحریر کرتا تاہم علمائے کرام بنظر تحقیق دیکھیں گے کہ میں نے ترجمہ میں کسی لفظ کے معنی کو نہیں چھوڑا۔

میرے دونو ترجمے اور دونو شرحیں فی الجملہ مختلف ہیں اور اس میں یہ بھی غرض رکھی گئی ہے۔ کہ لوگوں کو مختلف شرحوں کے ذریعہ ان اشعار کے معانی اچھی طرح ذہن نشین کرائے جائیں۔

مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۵ کا مظہر ہے۔

فِی الْمَھْدِ یَنْطِقُ عَنْ سَعَادَةِ جَدِّہٖ ؎ اَثَرُ النَّجَابَةِ سَاطِعُ الْبُرْھَانٖ

حضرت کا شجرہ نسب پدری یہ ہے۔

حضرت شیخ محی الدین ابو محمد عبد القادر بن ابی صالح جنگی دوست ابن عبد اللہ بن یحیٰی الزاہد بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن عبد اللہ بن موسیٰ الجون بن عبد اللہ المحض المجل بن الحسن المثنیٰ بن الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

شجرۂ نسب مادری یہ ہے۔

حضرت کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ کنیت اُمّ الخیر لقب امۃ الجبار تھا۔ فاطمہ بنت ابی عبد اللہ الصومعی الزاہد بن ابی جمال بن سید محمد بن سید ابی محمود بن سید طاہر بن ابی عطا بن سید عبد اللہ بن سید ابی کمال بن سید عیسیٰ بن علاؤ الدین بن سید محمد بن سید علی العریضی بن الامام جعفر الصادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن الحسین بن الامام علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مقالہ ثانیہ

تعلیم

آنحضرت نے ابتدائی تعلیم اپنے مولد میں پائی۔ بعد ازاں ابو سعید المخزومی (جو بغداد میں مجتہد عصر تھے) و ابو بکر احمد بن المظفر بن سوس وغیرہ فضلائے نامدار سے ظاہری و باطنی علوم میں کمال حاصل کیا۔ اور حماد الدباس کی صحبت سے مستفیض ہوئے

۱؎ گہوارہ میں سعادت جدی کا اظہار کرتا ہو۔ شرافت کا اثر نہایت ہی واضح ہے۔

۵۲۱ھ میں مجلس تلقین منعقد ہوئی اور چشمہ عرفان و ہدایت سے ایک عالم کو سیراب فرمایا۔ جب ابو سعید المخزومی نے انتقال کیا۔ تو آپ ان کی جگہ ۵۲۰ھ میں مسند تدریس پر جلوہ گر ہوئے۔

حضرت کا سلسلہ طریقت یہ ہے۔

شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی عن ابی سعید المخزومی عن شیخ الاسلام ابی الحسن علی بن محمود الہکاری عن ابی الفرح الطرسوسی عن ابی الفضل عبد الواحد بن عبد العزیز التیمی عن الشیخ الکبیر العارف باللہ ابی بکر دلف بن جحدر الشبلی عن سید الطائفہ ابی القاسم الجنید البغدادی عن السری السقطی عن المعروف الکرخی عن داؤد الطائی عن حبیب العجمی عن الحسن البصری عن الامام علی بن ابی طالب عن ابن عمہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن امین الوحی جبرائیل علیہ السلام عن من لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَّھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۵

مقالہ ثالثہ

حلیہ مبارک

گندم گوں۔ منور رخسار۔ میانہ قد۔ سیاہ چشم۔ کشادہ پیشانی۔ دبلا پتلا جسم۔ مدوّر و پیوستہ ابرو۔ بلند بینی۔ ہاتھ پاؤں خوبصورت۔ ریش مبارک گھنی اور لمبی۔ بلند آواز۔ چہرہ پر جاہ و جلال برستا تھا۔ لوگ دیکھ کر محو ہو جاتے تھے۔

لباس و سواری

فقیہوں اور مجتہدوں کی طرح۔ درویش صفت باش و کلاہ تتری دار عمامہ

وعبا وچادر اوڑھتے۔ لباس ہمیشہ قیمتی نفیس اور پاکیزہ زیب تن فرماتے۔ بالعموم قاطر[1] پر سوار ہوتے تھے۔

اخلاق۔عادات

آپ بہت متواضع۔ سخی۔ علماء وطلباء کے دوست۔ فکر۔ ذکر میں مشتغل بردبار۔ شب زندہ دار۔ مستجاب الدعوات۔ صادق الوعد۔ شریعت کے پابند۔ اوامر ونواہی میں غیور۔ اور سخت گیر تھے۔ خوف خدا سے اکثر روتے تھے۔ دل آپ کا نرم اور زبان فصیح تھی۔ دین وملت کے حامی! اپنے ہاتھ کی کمائی سے روٹی کھاتے۔

مَقَالَہ رَابِعَہ

عبادت وزہد

شیخ عبداللہ بن ابی الفتح ہروی روایت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں چالیس برس رہا۔ آپ ہمیشہ باوضو رہتے۔ اور اکثر ایسا ہوتا کہ صبح کی نماز عشا کے وضو سے پڑھتے۔ ہر وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو ادا کرتے۔ عشا کی نماز کے بعد ایک حجرہ میں تشریف لے جاتے جس میں کوئی شخص نہیں جا سکتا تھا۔ تمام رات نوافل واوراد میں مصروف رہتے۔ اور صبح نماز کے لئے باہر تشریف لاتے۔ رات کے وقت کوئی شخص آپ کے پاس نہیں جاسکتا تھا کئی دفعہ خلیفہ وقت کسی استدعا کے لئے رات کو حاضر ہوا۔ مگر صبح تک اس کو باریابی نصیب نہ ہوئی۔ آپ کبھی کسی خلیفہ یا امیر کے پاس نہیں گئے خلیفۂ وقت کے احکام اگر خلاف شریعت ہوتے۔ یا کوئی ظالم کسی عہدہ پر مقرر کیا جاتا تو منبر

[1] خچر۔

پر خلیفۂ وقت کو نصیحت کرتے جس کی تعمیل فوراً ہوتی۔ جمعہ کے دن جامع بغداد میں آتے۔ بازاروں میں لوگ دورویہ صف بستہ زیارت وطلب دعا کے لئے منتظر ہوتے۔ جب جامع میں قدم رکھتے تو اُن کے ہاتھ پر بوسہ دینے کے لئے چاروں طرف سے لوگ دوڑتے۔ آپ نے لوگوں کے سامنے نہ کبھی تھوکا نہ کھنکارا۔ نہ ناک صاف کی۔ نہ جمائی لی نہ چھینکا۔ مگر ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت نے بے اختیار چھینک لی چاروں طرف سے یَرْحَمُكَ اللّٰهُ وَيَرْحَمُ بِكَ[1] کی آواز جامع میں گونج اٹھی۔ خلیفۂ وقت مستنجد باللہ موجود تھا۔ بارگاہ حضرت غوث الثقلین میں لوگوں کی ارادت کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور اس کے دل پر خوف طاری ہوا۔ باوجود اس قدر اتقاء وورع کے عجز کا یہ عالم تھا کہ شیخ سعدیؒ گلستان میں لکھتے ہیں۔ "شیخ عبدالقادر گیلانی را دیدند (رحمۃ اللہ علیہ) در حرم کعبہ روئی برحصا نہادہ بود و مے گفت اے خدا ببخشا۔ اگر مستوجب عقوبتم مرا درروز قیامت نابینا برانگیز تا درروئے نیکاں شرمسار نباشم۔ قطعہ

روئے بر خاک عجز میگویم   ہر سحرگہ کہ باد مے آید
اے کہ ہرگز فراموشت نہ کنم   ہیچت از بندہ یاد مے آید

مَقَالَہ خَامِسَہ

اولاد

آنحضرت قدس اللہ سرہٗ کی اولاد اُنچاس نفوس تھے جس میں سے ستائیس صاحبزادے اور بائیس صاحبزادیاں تھیں جن میں سے بموجب اَلْوَلَدُ سِرٌّ

[1] خدا آپ پر رحمت کرے اور آپ کے باعث ہم پر رحمت ہو۔ ۱۲

پاکیزہ۔ اکثر اولیاء و فضلاء تھے۔ مشہور یہ ہیں۔ شیخ عبد الرزاق۔ شیخ عبد الوہاب
شیخ عیسٰے۔ شیخ عبد العزیز۔ شیخ عبد الجبار۔ شیخ ابراہیم۔ شیخ محمد۔
شیخ عبد اللہ۔ شیخ یحیٰی۔ شیخ موسیٰ جنہوں نے حضرت سے تعلیم پائی۔

مَقَالَہ سَادِسَہ

جامعیت علوم

آپ ہر ایک علوم ظاہری و باطنی میں ید طولیٰ اور مجتہدانہ ملکہ رکھتے تھے خصوصًا فقہ حدیث تفسیر اور تصوف وغیرہ کے اس قسم کے دقائق و حقائق بیان فرماتے تھے۔ کہ دُور دُور سے نامور فضلاء حاضر ہو کر حلقۂ درس میں شامل ہوتے۔ اور جس مسئلہ پر تقریر کرتے فصاحت و بلاغت نثار ہوتی تھی عربی و فارسی دونوں زبانوں میں آپ کی تصنیفات کے جواہر آبدار ملتے ہیں آپ کا مذہب حنبلی تھا۔ اور شافعی و حنبلی فقیہوں کے مقتدا و امام تھے۔

مَقَالَہ سَابِعَہ

تصانیف

آپ کی تصنیف مختلف علوم میں ہے اُن میں سے مشہور کتابیں یہ ہیں۔
غنیۃ الطالبین۔ فتوح الغیب۔ جلاء الخاطر فی الباطن والظاہر۔ الفتح الربانی والفیض الرحمانی۔ مکاتب عربیہ و فارسیہ قصیدہ خمریہ (جس کی شرح کی عزت اس عقیدت کیش کو عطا کی گئی ہے قصیدہ الباز الاشہب (جس کی شرح انشاء اللہ تعالیٰ۔

بعد میں دربارِ غوثیہ میں پیش کی جائیگی)

مَقَالَہ ثَامِنَہ

کرامات و خوارق

حضرت قدس سرہٗ کی کرامات و کمالات اس قدر مشہور و معروف ہیں اور سینکڑوں کتابوں میں جمع کئے گئے ہیں کہ تفصیل و تشریح سے مستغنی ہیں میں اس شعر کو تفصیل کے لئے کافی خیال کرتا ہوں۔

حُسنِ یوسف دمِ عیسےٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مَقَالَہ تَاسِعَہ

وفات آنحضرت قدس سرہٗ

آنحضرت شنبہ کی رات ۱۰ ربیع الثانی ۵۶۱ھ کو شہر بغداد میں واصل باللہ ہوئے مگر آپ کا آفتاب فیضان ہمیشہ کے لئے ہم پر تاباں و درخشاں ہے۔

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا اَبَدًا عَلٰی فَلَکِ الْعُلَا لَا تَغْرُبُ[1]

آپکے جنازہ میں شہر بغداد اور اُس کے گرد و نواح دیہات سے ہزاروں آدمی شامل ہوئے۔ اور نماز جنازہ آنحضرت قدس سرہٗ کے صاحبزادہ عبد الوہابؒ نے پڑھائی۔ اور مدرسہ ابوسعید المخزومی میں (جہاں آنحضرت تدریس فرماتے تھے) مدفون ہوئے۔ اس وقت تک حضرت کا مقبرہ ملجا و ماوائے خلائق ہے۔

---

[1] متقدمین کے آفتاب کہاں غروب ہوگئے۔ لیکن ہمارا آفتاب اجلال عزت وحشمت کے آسمان پر ہمیشہ درخشاں رہے گا۔

آنحضرت کی عمر اکانوے سال تھی۔ عشق سے آنحضرت کا سال تولد اور معشوق الٰہی سے وصال اور کمال سے تعداد سنین عمر واضح ہے۔

قصیدہ کا وزن عروضی

اِس قصیدہ کا وزن بحر وافر ہے۔ جس کے ارکان مفاعلتن مفاعلتن مفاعلتن ہیں۔ مگر زحاف سے مفاعیلن، فعولن ومفاعیل وفعلاتن بھی پائے جاتے ہیں اس قصیدہ کے بعض ابیات میں مختلف زحافات پائے جاتے ہیں

رفع شکوک و اَوہام

بعض لوگ شک کرتے ہیں کہ یہ قصیدہ حضرت کا کلام نہیں۔ اُنکے شک کی تین وجوہ ہیں

اوّل۔ یہ کہ اس میں بموجب عروض وصرف ونحو بعض بعض اشعار میں اعتراض ہیں

دُوم حضرت نے اس قصیدہ میں اظہار فخر کیا ہے۔

سوم۔ بعض امور کو جو ذات باری تعالیٰ سے مختص ہیں اپنی طرف منسوب کیا ہے کسی امر کے ثابت کرنے کے لئے منجملہ دلائل کے ایک دلیل تواتر کی ہے قصیدہ غوثیہ علی التواتر حضرت شیخ محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز سے منسوب ہے، تمام ممالک میں مسلمانان عقیدتمند اس کا وظیفہ کرتے ہیں۔ اور میں نے عربوں کو بھی دیکھا ہے کہ وہ حلقۂ تلقین میں اس کے ورد سے محظوظ ہوتے ہیں اور ہر زمانہ میں اس قصیدۂ شریفہ کے یمن سے صلحا اور زہاد مستفیض ہوتے رہے ہیں۔ پس اس تواتر کی موجودگی میں اس سے انکار کرنا بداہت کا انکار ہے۔

وَلَيْسَ يَصِحُّ فِي الْأَذْهَانِ شَيْءٌ ۞ إِذَا احْتَاجَ النَّهَارُ إِلَى دَلِيلٍ[1]

[1] اگر دن کا اثبات بھی محتاج دلیل ہو تو پھر حقائق میں سے کوئی حقیقت ثابت ہی نہیں ہو سکتی۔

نیز جو تاثیرات اس کے وظیفہ سے عقیدت کیشان ومخلصان کے دل پر ظاہر ہوتی ہیں وہ یقینی شہادت اس امر کی ہیں کہ یہ قصیدہ بلاشک وشبہ حضرت قدس سرہ کے افادات سے ہے شک کے رفع کرنے کے لئے اس کا ورد کرنا چاہئے اس کی تاثیر سے یقین حاصل ہوگا۔ کہ یہ لاریب حضرت کا کلام ہے۔

گر با دیدۂ تحقیق بینی عالم سفلی ۔ بچشم حق شناس خود زمین را آسمان بینی
عقاب معرفت بالا نزاست از گنبد گردوں ۔ تو بر شاخ درختانش مقیم آشیاں بینی

اعتراضات عروض وصرف ونحو جس قدر ہمارے پیش کئے گئے ہیں ہم نے ہر ایک کا جواب اپنے محل پر فصحائے عرب کے کلام سے دیا ہے جن کا دائرہ وسعت علم تنگ ہے۔ اور کلام عرب پر پورا پورا عبور نہیں رکھتے۔ اس سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت قدس سرہٗ فاضل اجل اور بغداد کی جامع کے اُستاد الکل تھے۔ بغداد میں عربی زبان بولی جاتی ہے۔ سعدیؒ کہتے ہیں ؂

کہ سعدی راہ ورسم عشق بازی ۔ چناں داند کہ در بغداد تازی

پس اُن کے کلام معجز نظام پر کچھ کہنا سوء ادب ہے۔ بلکہ حضرت کی فضیلت اور زبان دانی کا یہ مرتبہ ہے کہ ہم آپ کے کلام سے استدلال لیں۔ اہل زبان تو زبان اکا مالک ہے۔ اُس کا زبان پر پورا تصرف ہوتا ہے۔ اور جن لوگوں نے طبقات عرب کے دیوان دیکھے ہیں۔ وہ ایسے اعتراضات کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اور شعر میں تو شاعر کو تصرفات کا حق حاصل ہے۔ یجوز فی الشعر ما لا یجوز فی غیرہ۔ علامہ زمخشری جیسے فاضل نے جو مسلم ادیب ہے لکھا ہے کہ شعر میں مندرجہ ذیل دس تصرف جائز ہیں۔ قطع۔ وصل۔ تخفیف۔ تشدید۔ مد۔ قصر۔ اسکان۔ تحریک

غیر منصرف۔ منصرف[1]۔ معترضین کے رد کے لئے علامہ زمخشری کا قول کافی ہے۔

وَكَمْ مِّنْ عَائِبٍ قَوْلًا صَحِيْحًا　　وَاٰفَتُهٗ مِنَ الْفَهْمِ السَّقِيْمِ

دوسرا سوال عدم تدبر کی وجہ سے ہے۔ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ[2]۔ اگر اظہار بارادہ شکر نعمت ہے تو باتباع آیہ کریمہ وَلَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ[3] موجب ازدیاد نعمت ہے اور یہ سنت نبوی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ[4]۔ اور نیز اولیاء اللہ بعض مطالب کا اس لئے اظہار کرتے ہیں۔ کہ لوگ ایمان لائیں۔ اظہار معجزات وکرامات کی یہی غرض ہوتی ہے حضرت کا اپنے مدائح کو ظاہر کرنا اس غرض سے ہے۔ کہ لوگ مطلع ہوں اور اُن کے علوم سے فائدہ اُٹھائیں۔ اور یہ سنت اللہ ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے بندوں کو اجازت دیتا ہے کہ وہ لوگوں کو اپنے کمالات کی اطلاع دیں۔ پیغمبر اسی سنت اللہ کے تابع ہو کر مشتہر کرتے ہیں کہ اُن پر وحی نازل ہوتی ہے۔

حضرت نے اس قصیدہ میں جو کچھ فرمایا ہے مُردوں کا زندہ ہونا۔ دریاؤں کا خشک ہو جانا پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہونا۔ زمانہ کا اطلاع دینا۔ آگ کا بجھ جانا وغیرہ ایسے خوارق ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ اور جن کا ظہور خداوند تعالیٰ نے مرسلین کے ہاتھ پر فرمایا۔ گویا یہ امکانات ثابت شدہ ہیں۔ اور ممکنات کی موجودگی میں واقعات کا قطعی انکار جہالت ہے۔ کتب تصوف میں لکھا ہے کہ پیغمبر خدا تعالیٰ سے بذریعہ وحی کشف ومعجزات حاصل کرتے ہیں۔ لیکن اولیاء اللہ تو

---

[1] جو لوگ صحیح قول کی نسبت نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اس میں اُن کی ناقص ذہنی کا قصور ہے۔
[2] اعمال کا ثواب نیت پر موقوف ہے۔ [3] اگر تم شکر کرو گے۔ تو تمہاری نعمتوں کو بڑھائیں گے۔
[4] میں بنی آدم کا سردار ہوں۔ مگر فخر نہیں ہے۔

بلاواسطہ وحی بوجہ کمال اتباع شریعت محمدی مستفید ہوتے ہیں۔

اپنے اپنے محل پر میں نے ان واقعات پر پوری بحث کی ہے۔ اور جس قدر معانی ان ابیات سے پیدا ہوتے ہیں ان کو بالتفصیل لکھا ہے۔ اس تفصیل کو پڑھنے سے تمام شک وشبہ دور ہو جاتے ہیں۔

تیسرا سوال کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ ان تمام امور کے بعد حضرت نے بِقُدْرَةِ تَعَالٰى کی قید لگائی ہے۔ کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کے اذن سے ہوتا ہے۔ پس خوارق کی نسبت خدا کی طرف ہے۔ نہ حضرت کی طرف۔ اور نیز خوارق کا ذکر حضرت نے وَلَوْ اَلْقَيْتُ سِرِّيْ کے لفظ سے فرمایا ہے سر کے معنی بعض صوفیائے کرام نے قرآن بھی لکھے ہیں۔ اور قرآن کو اپنی طرف منسوب کرنا تعظیم واتباع کا اظہار ہے۔ سعدی فرماتے ہیں۔

عجب است با وجودت کہ وجود من بماند　　تو بگفتن اندر آئی و مرا سخن بماند

اور آیات میں خدا تعالیٰ نے بیشمار تاثیرات رکھی ہیں۔ علامہ بوصیری ناظم قصیدہ بُردہ فرماتے ہیں۔ ؎

اِنْ تَتْلُهَا خِيْفَةً مِّنْ حَرِّ نَارِ لَظٰى　　اَطْفَأْتَ حَرَّ لَظٰى مِنْ وِّرْدِهَا الشَّبِمِ[1]

اور نیز کلمہ لَوْ جملہ فعلیہ پر داخل ہوتا ہے۔ اور مقصود اس سے یہ ہوتا ہے۔ کہ فعل ثانی کا وقوع بوجہ عدم وقوع فعل اول کے نہیں ہوا۔ گویا قرآن شریف کے آیات کی تاثیرات سے ایک امکان کا اثبات ہے۔ اور نیز بقول بعض سر سے مراد اسم ذات ہے۔ جو خوارق اسم ذات کی تاثیر سے ظہور پذیر ہوں

---

[1] اگر تو آیات قرآنی کو شعلہ زن آگ کے خوف سے پڑھے تو ٹھنڈے ورد سے شعلہ زن آگ کو بجھا دے

وہ باری عزاسمہٗ کا فعل ہے نہ بندہ کا۔ اگر فطرت صحیحہ وارادت راسخہ سے اسمیں غور کی جائے۔ تو اس کلام پاک کے برکات "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" خود اپنی دلیل ہیں۔ ؎

زترتیبِ نظامِ آفرینش چوں نہ آگاہ
حوادث را ز تاثیرِ نجومِ آسماں بینی

اس قسم کے اعتراض وہ لوگ کرتے ہیں جو اس کوچہ سے نابلد ہیں۔ میں دیباجہ کو اپنی اس عرضداشت پر ختم کرتا ہوں۔ جس کو میں نے کسی وقت دردِ دل اور سوزِ جگر سے بارگاہِ قادریہ میں پیش کیا تھا۔ ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف

نیاز کیش مسکین محمد عبدالمالک عفی عنہ ....
خلف علامۃ الدہر مولانا مولوی محمد عالم صاحب تغمدہ اللہ بغفرانہ
قصبہ کھوڑی۔ ضلع گجرات (پنجاب) ....



قصیدہ در منقبت غوث الثقلین
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی
قدس اللہ سرہ العزیز

بر مصائب تا بکے صبر و شکیبائی کنم   آخرش از بے کسی فریاد و شیدائی کنم
ضبطِ آہ و نالہ و فریاد و شیون تا بکے   شکوۂ جور و جفائے چرخِ مینائی کنم
سینہ بریاں چشم گریاں آہ سوزاں دل تپاں   با چنیں ساماں ہا ہنگامہ آرائی کنم
ایں غلط کردم کہ از تقدیرِ تو سر تافتم   من کہ باشم تا بدرگاہِ تو خود رائی کنم
پیشِ تقدیرت سرِ تسلیم خم۔ صبرِ جمیل   کافرم گر در مصائب ناشکیبائی کنم
لیک مے آرم بدرگاہت شفیعے آنکہ گفت   یا مُریدی لاتخف۔ من غیرت افزائی کنم
از طفیلِ شیخ عبدالقادرِ قطبِ زماں   عرضِ حالِ خویش را عرضِ پذیرائی کنم
غوثِ اعظم کن دعا در بارگاہِ ایزدی   تا بتوفیقِ خدا کارِ توانائی کنم
یا شکستِ آرزو را بردرت آوردہ ام   تا بدستِ لطفِ تو ایں را شناسائی کنم
ذاتِ والایت عُزُوم قائل عند القتال   پس چرا از خوفِ اعدا روح فرسائی کنم
بر فلک شد کردہ زانوئے ادب روح القدس   چوں بہ تفسیرِ مدیحت عزمِ گویائی کنم

ہرچہ دارم از دل و جاں ملک غوث الاعظم است | زیب گردن رشتۂ تقلید آبائی کنم
یاد بیداری مرا از فیض ھُمُّوا واشربوا | از سقانی الحب ہر گاہ بادہ پیمائی کنم
سرزمین معرفت روشن تر از انفاس تو | خاک پاک آستانت نور بینائی کنم
خط پیشانی من روشن شود از نقش پا | چوں براہ مرقد تو ناصیہ سائی کنم
خار و برگ دشت و صحرا سنبل و ریحاں شود | چوں بشوق روضۂ تو دشت پیمائی کنم
غوث اعظم با فرش راہ زائران مرقدت | دیدہ و دل را بجائے خز و دارائی کنم
در سرم سودائے عشق شیخ عبد القادر است | در فراقش روز و شب فریاد و سودائی کنم
خاک روئی خوارش یا الٰہی کن نصیب | حیف باشد بعد زیں گر کار فرمائی کنم
وصف اخلاق تو از حد بلاغت برتر است | گرچہ ہر چند از بلاغت نکتہ آرائی کنم
چند در خواب گرانی او دست نصرت بر کشا | تا بزور بازوئے کسب توانائی کنم
ابلہی دربارگاہت مایۂ فرزانگیست | ابلہم گر بعد زیں دعوائے دانائی کنم

الغیاث اے دستگیر مالک اندوہگیں
بر مصائب تا بکے صبر و شکیبائی کنم



۶۹

قصیدۂ غوثیہ مع ترجمہ و شرح مختصر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سَقَانِی الْحُبُّ کَاسَاتِ الْوِصَالِ

محبت نے مجھے وصل کے پیالے پلائے

فَقُلْتُ لِخَمْرَتِیْ نَحْوِیْ تَعَالِیْ

پس میں نے اپنی شراب (جو میرے لئے مختص تھی) یا ساقی کو کہا کہ ادھر آؤ

محبت ہی کے باعث مجھے وصال الٰہی حاصل ہوا۔ کیونکہ محبت کا نتیجہ وصال ہے جب وصال حاصل ہوا تو میں اس قابل ہو گیا کہ شراب کو (جو فیضان الٰہی سے مراد ہے) طلب کروں۔ بعد از وصال میں ایسے نشہ کا متحمل ہو گیا۔ اور میرا حق تھا کہ میں اپنی شراب مقدر کو طلب کرتا۔ وصال کے بعد خاص استعداد حاصل ہوتی ہے جو قبل از وصال نہیں ہوتی۔ ع
چوں نداری قوت مستی مگیر ایں جام را۔

سَعَتْ وَمَشَتْ لِنَحْوِیْ فِیْ کُئُوْسٍ

وہ شراب کاسوں میں (بھری ہوئی) میری طرف دوڑتی ہوئی آئی

فَهِمْتُ بِسُکْرَتِیْ بَیْنَ الْمَوَالِیْ

پس میں اپنے دوستوں (کی مجلس) میں نشۂ شراب سے مست ہو گیا۔

جب مجھے وصال الٰہی حاصل ہو گیا۔ تو میرا کاسۂ دل شراب فیضان کا ظرف بن گیا جس طرح پانی نشیب کی طرف جلدی جاتا ہے۔ اسی طرح وہ شراب میری طبعی کشش سے دوڑتی ہوئی آئی۔ اور میں اس کو پی کر مست ہو گیا۔ اور میری مستی مخفی نہ تھی بلکہ اس کا مشاہدہ میرے احباب نے بھی کیا ✦

فَقُلْتُ لِسَائِرِ الْاَقْطَابِ لُمُّوْا

پس میں نے تمام اقطاب کو (جو میرے احباب تھے) کہا کہ آپ بھی عزم کرو

بِحَالِیْ وَادْخُلُوْا اَنْتُمْ رِجَالِیْ

اور میرے حال (رنگ) میں آجاؤ کیونکہ آپ بھی میرے بھائی بند ہو

شراب کے پینے کے بعد جب مجھے بصیرت حاصل ہوئی تو میں نے دیکھا کہ دیگر اقطاب اس نشۂ عرفان سے ناآشنا ہیں اس لئے میں نے زخوردہ جہاں ہے کہ بیاراں تھوڑی کے سبیل سے تمام اقطاب کو دعوت دی کہ آپ بھی میرے رفیق طریقت ہیں میری اتباع وتقلید کرو تاکہ آپ بھی میرے رنگ میں رنگے جاؤ۔

وَهُمُّوْا وَاشْرَبُوْا اَنْتُمْ جُنُوْدِیْ

اور میں نے اقطاب کو کہا کہ قصد کرو (ہاتھ بڑھاؤ) اور شراب پیو آپ میرا لشکر ہو

فَسَاقِی الْقَوْمِ بِالْوَافِیْ مَلَالِیْ

اور ساقی قوم (رسول اللہ صلعم) نے میرے لئے جام شراب لبالب بھر دیا ہے

شعر ماسبق کی تفسیر یا تاکید ہے۔ اقطاب کو میں نے کہا کہ چونکہ آپ میرے تابع اور میرے طریقہ کے پیرو ہیں۔ اور میں آپ کا سردار ہوں اس لئے مجھ کو آپ سے ہمدردی ہے چاہتا ہوں کہ آپ اس فیضانِ الٰہی سے بہرہ اندوز ہوں۔ آپ بھی شراب پئیں مگر شرط یہ ہے کہ عزم بالجزم ہو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرا جام معرفت ایسا بھر دیا ہے کہ وہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ تھوڑا پانی اور طعام جس پر دستِ مبارک رکھتے۔ لشکروں کے لئے کافی ہوتا۔ اس شعر میں اس معجزہ کی طرف بھی اشارہ ہے۔

شَرِبْتُمْ فَضْلَتِیْ مِنْ بَعْدِ سُکْرِیْ

جب مجھے نشہ ہو چکا تو آپ (اقطاب) نے میری بچی کھچی شراب پی لی

وَلَانِلْتُمْ عُلُوِّیْ وَاتِّصَالِیْ

لیکن آپ میرے رتبۂ بلند اور قرب واتصال کو نہ پہنچ سکے

حضرت قدس اللہ سرہ العزیز دیگر اولیائے کرام کو آگاہ کرتے ہیں اور ترغیب دیتے ہیں کہ اگرچہ آپ نے میری جھوٹی شراب پی۔ لیکن اب تک آپ میرے درجہ تک نہیں پہنچے اس لئے آپ کو اور ترقی کرنی چاہیئے۔

مَقَامُکُمُ الْعُلٰی جَمْعًا وَّلٰکِنْ

اگرچہ آپ سب (اقطاب) کا مقام بلند ہے لیکن

مَقَامِیْ فَوْقَکُمْ مَازَالَ عَالِیْ

میرا مقام آپ کے مقام سے بلند تر ہے اور یہ ہمیشہ (نسبتاً) بلند رہیگا

مقام معرفت میں ایک تنزل بھی ہے یہ پہلے شعر کی تفسیر ہے کہ اگرچہ آپ نے میری جھوٹی شراب پی کر بہت کچھ مدارج طے کئے ہیں۔ مگر میرے درجہ کو نہیں پہنچو گے کیونکہ میں بھی تمہاری ترقی کے ساتھ ترقی کرتا جاؤنگا۔ میدانِ عرفان کی کوئی حد نہیں ہے اس لئے کوئی عارف اسکو طے نہیں کرسکتا۔ اس لاانتہا میدان میں مرید بہ تبعیت مرشد چلتا ہے۔ مگر وہ مرشد تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ مرشد بھی برابر ترقی کرتا جاتا ہے۔

أَنَا فِی حَضْرَةِ التَّقْرِیْبِ وَحْدِیْ

میں بارگاہ تقریب میں یگانہ و منفرد ہوں

یُصَرِّفُنِیْ وَحَسْبِیْ ذُو الْجَلَالِ

خدا مجھے (جس طرح چاہتا ہے منازل میں یکے بعد دیگرے) پھیرتا ہے اور خدا تعالیٰ میرے لئے کافی ہے

تقریب بھی ایک منزل کا نام ہے جب خدائے تعالیٰ کی تقریب کی کوئی حد نہیں ہے۔ تو اس میدانِ تقریب میں لامحالہ مرشد ایسے مقام پر ہوگا جہاں دوسرے نہیں پہنچ سکتے۔ جس طرح ایک سپہ سالار فوج کے آگے جاتا ہے اور فوج اس کے پیچھے ہوتی ہے۔ تو سپہ سالار کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہر ایک قدم پر اکیلا ہے۔ کوئی اس کے ہم دوش نہیں ہے۔ یہی مثال میدانِ تقریب کی ہے۔ کہ حضرت اس میدان کے رہبر ہیں۔ مریدوں کے آگے آگے جاتے ہیں۔ اس لئے وہ ہر ایک قدم پر تنہا ہیں۔

أَنَا الْبَازِیُّ أَشْہَبُ کُلِّ شَیْخٍ

میں ہر ایک ولی اللہ پر اس طرح غالب ہوں جس طرح سفید باز پرندوں پر غالب ہوتا ہے

فَمَنْ ذَا فِی الرِّجَالِ أُعْطِیْ مِثَالِیْ

(مجھے دکھلاؤ) مردوں (عارفوں) میں کس کو میرے جیسا رتبہ عطا کیا گیا ہے۔

جس طرح باز اشہب (سیاہ و سفید پروں والا باز) تمام جانوروں پر غالب ہوتا ہے۔ اسی طرح میں تمام اولیاء پر غالب ہوں۔ عارف کو باز اشہب سے تشبیہ دینا لطیف تشبیہ ہے جس طرح باز آسمان پر چکر کاٹتا ہے۔ اسی طرح عارف بھی منازل طے کرتا ہے۔ اس میں نعمت کا اظہار بطور شکر ہے۔ اور نیز دوسرے اولیاء اللہ کو حصولِ مراتبِ علیا کی ترغیب ہے کہ جن مراتب کو وہ منتہی خیال کئے ہوئے ہیں اُن سے اوپر اور مراتب بھی ہیں

9 کَسَانِیْ خِلْعَةً بِطِرَازِ عَزْمٍ

خدا نے مجھے وہ خلعت پہنایا جس پر عزم (ارادہ مستحکم) کا بیل بوٹا تھا

وَتَوَّجَنِیْ بِتِیْجَانِ الْکَمَالِ

اور نیز میرے سر پر کمالات کے تاج رکھے

تفصیل ہے تفضلات الٰہی کی جو حضرت قدس سرہٗ العزیز کو عطا کئے۔ عزم ایک قوت ہے جس سے منازل عرفان کے طے کرنے میں عارف کی ہمت نہیں ہارتی۔ قرآن شریف میں وارد ہے فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ یعنے جب تو عزم کرے تو خدا پر بھروسہ کر۔ حضرت فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو وہ خلعت عرفان عطا کیا ہے جس کے حاشیے میں عزم کے بیل بوٹے ہیں۔ میرے ارادہ میں کبھی لغزش نہیں ہوتی۔ اور ایسا ہی مجھے ہر ایک طریقہ ولایت کا تاج کمال مرحمت فرمایا ہے۔ کیونکہ حضرت ہر ایک طریق میں بیعت فرماتے تھے۔ اس اعتبار سے ہر ایک طریقت کا تاج کمال حضرت کے سر مبارک پر درخشاں تھا۔

10 وَأَطْلَعَنِیْ عَلٰی سِرٍّ قَدِیْمٍ

اور خدا نے مجھے اپنے قدیم راز پر مطلع کیا

وَقَلَّدَنِیْ وَأَعْطَانِیْ سُؤَالِیْ

اور میری گردن میں (رضا و تسلیم کا) گلوبند ڈالا اور جو کچھ میں نے مانگا دیا

سرِ قدیم سے مراد اسرار قرآن یا امر موت و حیات یا علم غیب (اس حد تک جو خدا نے حضرت کو عطا کیا) یا اسم اعظم ہے چونکہ سرِ قدیم حاصل کرنے کے لئے رضا، تسلیم، صبر کی ضرورت ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے پہلے ہی سے رضا و تسلیم، صبر و تحمل کی ہیکل میرے گلے میں ڈال دی ہے چونکہ سرِ قدیم ہر ایک مدعا کا جامع ہے۔ اس لئے حضرت کا یہ فرمانا کہ جو کچھ میں نے خدا سے مانگا وہ مجھ کو مل گیا۔ سرِ قدیم کے عالم ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

۱۱ وَوَلَّانِی عَلَی الْاَقْطَابِ جَمْعًا

خدا تعالیٰ نے مجھ کو تمام اقطاب پر حاکم بنایا

فَحُکْمِی نَافِذٌ فِی کُلِّ حَالِ

اور میرا حکم ہر حال میں جاری ہے

جب حضرت کو سر قدیم سے آگاہ کیا گیا۔ تو لازمی نتیجہ ہے، کہ آپ تمام اقطاب کے سردار ہوں اور آپ کا حکم ہر حال میں جاری ہو کیونکہ سر قدیم کا علم جس کو عطا کیا جائے اس کی حکومت اور علم بحکم مشیت اللہ مدام ہوتا ہے۔ دنیوی بادشاہان کی حکومت اور حکم کی طرح زوال پذیر نہیں ہے۔

۱۲ وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّی فِی بِحَارٍ

اگر میں اپنا راز دریاؤں پر ڈالوں

لَصَارَ الْکُلُّ غَوْرًا فِی الزَّوَالِ

تو کل دریا تہ نشیں زوال ہو جائیں

سر قدیم کی تاثیر کا بیان ہے کہ اگر میں اس کو دریاؤں پر ڈالوں تو ان کا پانی زمین میں جذب ہو کر خشک ہو جائے۔ اور ان کا نام و نشان نہ رہے۔

۱۳ وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّی فِی جِبَالٍ

اگر میں اپنا راز پہاڑوں پر ڈالوں

لَدُکَّتْ وَاخْتَفَتْ بَیْنَ الرِّمَالِ

تو وہ پس کر ریت جیسے باریک ہو جائیں اور دکھائی نہ دیں

پہاڑ باوجود اپنی جسامت اس راز قدیم کی تاثیر سے پاش پاش اور ریت کے ذروں میں مل کر ناپید ہو جائیں۔

۱۴ وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّی فَوْقَ نَارٍ

اور اگر میں اپنے راز کو آگ پر ڈالوں

لَخَمَدَتْ وَانْطَفَتْ مِنْ سِرِّ حَالِی

تو وہ میرے راز حال سے بجھ کر خاکستر ہو جائے

جب عارف کسی منزل کو طے کر کے ذوق حاصل کرتا ہے تو وہ منزل اس کا حال ہو اور اس حال کی وجہ قوت پیدا ہوتی ہو وہ اسکا راز ہے۔ وہ قوت جیسا راز سو مرتبہ دریا کو خشک اور آگ کو سرد اور پہاڑ کو چھیلکر بحکم خدا ریت کر سکتا ہے۔

۱۵ وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّی فَوْقَ مَیْتٍ

اگر میں اپنے راز کو مردہ پر ڈالوں

لَقَامَ بِقُدْرَةِ الْمَوْلٰی تَعَالٰی

تو وہ (فوراً) خدا تعالیٰ کی قدرت سے کھڑا ہو جائے

اس راز کی یہ تاثیر ہے کہ مردہ بھی زندہ ہو کر چلنے پھرنے لگ جاتا ہے بظاہر کائنات میں جو بڑی چیزیں ہیں۔ آگ۔ پانی۔ اور سب سے بڑی جسامت کے زمین پہاڑ ہیں۔ اور مردہ کا زندہ ہونا بظاہر ناممکن ہے مگر سر قدیم کی تاثیر ان پر بھی غالب ہے قرآن شریف میں ان تمام اشیا کا ذکر ہے جب کفار نے حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا۔ تو خدا کے حکم سے آگ سرد ہو گئی حضرت موسیٰ ؑ کے عہد میں دریا خشک ہو گیا۔ کئی پہاڑ اٹھائے گئے۔ اور ان کی ہستی باقی نہ رہی حضرت عیسےٰ ؑ نے بقدرۃ اللہ تعالیٰ مردے زندہ کئے۔

جو اولیاء ثابت ہو گئی کہ دریا خشک کئی آتشکدے سرد اور کئی پہاڑ تہ زمین ہو شید ہو گئے یہ طرح سبکیات ہو وہ خدا کی حکم اگلی حالت تبدیل ہو جاتی ہے وہ نہ جیسی قید لقام بقدرۃ المولیٰ تعالیٰ ہے یہ قید ہر ایک شعر کے متعلق ہو دریا کا خشک ہو جانا پہاڑ کا پس کر ریت ہو جانا۔ آگ کا خاکستر اور مردہ کا زندہ ہو جانا سب خدا کی قدرت سے ہو اور حقیقی فاعل خدا ہے۔ ۵

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

وَمَا مِنْهَا شُهُوْرٌ اَوْ دُهُوْرٌ

اے منکر کرامات، جھگڑے کو جانے دے، حقیقت حال تو یہ ہے، مہینوں اور

تَمُرُّ وَتَنْقَضِيْ اِلَّا اَتَالِيْ

زمانوں سے جو گزر گئے ہیں یا گزر رہے ہیں کوئی ایسا مہینہ یا زمانہ نہیں ہے۔ جو میرے پاس نہ آئے۔ (ضروری آتا ہے)

وَتُخْبِرُنِيْ بِمَا يَأْتِيْ وَيَجْرِيْ

اور وہ مجھ کو گزشتہ اور آئندہ واقعات کی خبر

وَتُعْلِمُنِيْ فَاَقْصِرْ عَنْ جِدَالِيْ

اور اطلاع دیتا ہے۔

یہ دونوں شعر ایک مقصد کو ادا کرتے ہیں۔ آپ منکر کو تنبیہ کرتے ہیں۔ اور اپنے علم کی وسعت بیان فرماتے ہیں۔ جو خدا تعالےٰ نے آپ پر القا فرمایا۔ تمرّ و تنقضی اور یأتی و یجری سے دونوں مفہوم ماضی اور مستقبل کے لئے جا سکتے ہیں۔ جو زمانہ گزر گیا ہے۔ وہ واپس آکر واقعات گزشتہ کا۔ اور جو زمانہ آنے والا ہے وہ واقعات آئندہ کی تفصیلات بیان کرتا ہے۔ جب نعمائے الٰہی کی یہ وسعت ہے تو منکر کے لئے اب بجز سکوت و تسلیم چارہ نہیں ہے۔ کیونکہ علم الاولین والآخرین حضرت کو بوجہ کمال اتباع نبوی حاصل ہے۔

شُهُوْرٌ و دُهُوْرٌ کے دونوں اعراب جائز ہیں۔

مُرِيْدِيْ هِمْ وَطِبْ وَاشْطَحْ وَغَنِّ

اے میرے مرید سرشار عشق الٰہی ہو اور خوش رہ اور بیباکی سے تو جو چاہے الاپ

وَافْعَلْ مَا تَشَا فَالْاِسْمُ عَالِ

اور جو تیرا دل چاہے کر کیونکہ میرا نام بزرگ ہے۔

یہ شعر بہت مشکل ہے۔ اس کے کئی معنی ہو سکتے ہیں (۱) ہیمان۔ طیب۔ شطح۔ غنا منازل عرفان ہیں حضرت ان کے طے کرنے کی مریدوں کو ہدایت فرماتے ہیں کیونکہ ان منازل کے طے کرنے کے بعد مرید کی حالت وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ کی ہوگی یعنی ان کی مشیت اور ارادہ خدا کی مشیت و ارادہ ہوگا۔ اس کے بعد کسی قسم کی لغزش منازل فقر میں واقع نہیں ہوگی۔ بلکہ یوماً فیوماً ترقی منازل ہو جائے گی۔ کیونکہ خدا کا نام عالی ہے۔ اس کی تاثیر سے علو حاصل ہوگا نہ کہ تنزل (۲) آپ مرید کو فرماتے ہیں کہ عشق الٰہی میں مست ہو جا۔ اور بسط و قبض کی حالتوں میں خوش رہ۔ اور خدا کے اسرار کو بطور حمد بیان کر۔ اور خدا کی تمجید کا راگ گاتا رہ۔ پھر تجھ کو یہ رتبہ حاصل ہو جائیگا۔ کہ تیرا کوئی فعل قابل اعتراض نہیں ہوگا کیونکہ تیرے افعال تابع شرع ہونگے (۳) آپ اپنے مرید کا بہ توفیق الٰہی ذمہ لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تو جو چاہے منہ سے کہہ۔ اور جو چاہے کر۔ خدا تعالےٰ نے میرا نام بلند کیا ہے۔ تجھکو کسی منزل میں لغزش نہ ہوگی۔ (۴) حضرت اپنے مریدوں کو اطمینان دلاتے ہیں اور مژدہ دیتے ہیں۔ کہ وہ ہر حالت میں خوش اور خرم رہیں۔ اور جو چاہیں کریں۔ کیونکہ ان کی بیعت در اصل رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ پر ہوئی ہے۔ جیسا کہ اخیر کے شعر میں آیا ہے۔

وَكُلُّ وَلِيٍّ لَهُ قَدَمٌ وَّاِنِّيْ   عَلٰى قَدَمِ النَّبِيِّ بَدْرِ الْكَمَالِ

ع چہ غم دیوار امت راکہ باشد چوں تو پشتیباں

19 مُرِیدِی لَا تَخَفْ اَللّٰہُ رَبِّی

میرے مرید تو کسی سے خوف مت کر اللہ ہی میرا مالک ہے

عَطَانِی رِفْعَۃً نِلْتُ الْمُنٰی لِی

جس نے مجھے وہ بلندی دی جس کے باعث میں اعلیٰ مدارج (آرزوؤں) تک پہنچ گیا

رفعت کے دونوں اعراب رفع و نصب پڑھے جاسکتے ہیں مگر مشہور نصب ہے۔ حضرت کے بعض مرید منکرین سے ڈرتے تھے آپ ان کو تسلی دیتے ہیں کہ کسی سے مت ڈرو جس خداوند تعالیٰ نے مجھ کو رفعت دی ہے وہی میرا مالک اور حافظ ہے۔ با مصائب میں مرید کی دستگیری کا وعدہ فرماتے ہیں کہ وہ گھبرائے اس کا کفیل میرا اللہ ہے جس نے اعلیٰ مراتب عطا کئے اور ان مراتب سے ایک مرتبہ دستگیری مریدین کا ہے میں ہر مشکل میں مریدوں کا ساتھ دیتا ہوں اور اس مشکل کے حل کرنے کی وہ رفعت جو خدا نے مجھ کو دی ہے کفیل ہے۔

20 طُبُولِی فِی السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ دُقَّتْ

آسمان اور زمین میں میرے نام کے ڈنکے بجائے جاتے ہیں

وَشَاءُوسُ السَّعَادَۃِ قَدْ بَدَا لِی

اور چاؤش (نقیب) سعادت میرے لئے ظاہر ہو رہے ہیں۔

میرا نام آسمان پر ملائکہ میں اور زمین پر اولیاء میں مشہور ہے اور سعادت ازلی کے چاؤش (نقیب) جو بادشاہ کے آگے آگے چلتے ہیں (جہاں میں جاتا ہوں، راستوں میں للکارتے ہیں۔ گویا سعادت میری عظمت و شوکت کا اظہار کرتی ہے تاکہ لوگ میری تعظیم کے لئے دو رویہ صف بستہ ہو کر کھڑے ہوجائیں۔ اور میرے دیدار سے مستفید سعادت ہوں۔

21 بِلَادُ اللّٰہِ مُلْکِی تَحْتَ حُکْمِی

خدا کے تمام شہر میرا ملک ہیں۔ جو میرے حکم کے تابع ہیں

وَوَقْتِی قَبْلَ قَلْبِی قَدْ صَفَا لِی

اور میرا وقت (منزل کشف القلوب) میرے دل کی پیدائش سے پہلے ہی صاف تھا

خداوند تعالیٰ جب کسی کو دوست رکھتا ہے تو اسکو تصرف فی البلاد کا رتبہ عطا کرتا ہے۔ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ۔ اسی رتبہ کا امام حضرت قدس اللہ سرہ العزیز کو خداوند تعالیٰ نے تصرف فی البلاد کا رتبہ عطا کیا جس سے تمام جہان آپ کا زیر نگین ہوگیا۔ وقت تصوف میں ایک منزل ہے جس میں عارف کے تئیں بہت مشکلات واقع ہوتی ہیں۔ یہ منزل عرفان صعب ترین منازل سے ہے۔ اور اسی محاورہ سے اردو میں بھی وقت مشکل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (ورنہ اوقات خاصان حق) وقت وہ ناہے۔ اُمت پیغمبری آگے عجب وقت پڑا ہے + خدا انقلاب لے آپ۔ بہرحال کرنے سے پہلے آپ کی شان منزل وقت، منزل کشف القلوب کو پاک و صاف کر دیا تھا تاکہ آپ کو کوئی تکلیف و مشکل پیش نہ آئے اور جلد منازل عرفانی کو طے کرلیں۔ اس نعمت کو بطور شکر بیان فرمایا ہے۔ وَلَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ

22 نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا

میں نے خدا کے تمام شہروں کی طرف دیکھا

کَخَرْدَلَۃٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالِ

تو وہ سب مل کر رائی کے دانہ کے برابر تھے

حضرت کی نظر خدا نے اس قدر وسیع اور بلند کی ہے کہ دنیا کے تمام شہروں کو بحکم اتصال یعنی ایک شہر کو دوسرے شہر کے ساتھ ملا کر دیکھا تو وہ رائی کے دانہ کے برابر تھے۔ اس اعتراض کا ازالہ کہ اس قدر شہر کس طرح آن واحد میں نظر آسکتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی نظر میں خاص قوت بصیرت ہوتی ہے اسکی نظر میں دنیا کے تمام شہر رائی کے دانہ کے برابر ہیں۔ جس طرح عام لوگ رائی کے دانہ کو نظر واحد میں دیکھ سکتے ہیں اسی طرح حضرت نے تمام دنیا کو ایک نظر اور آن واحد میں مشاہدہ کیا۔

٢٢ دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْبًا

میں (ظاہری و باطنی) علم پڑھتے پڑھتے قطب ہوگیا

وَنِلْتُ السَّعْدَ مِنْ مَّوْلَی الْمَوَالِیْ

اور میں شاہِ شاہان (خدا تعالیٰ) کی امداد سے (منزلِ) سعادت کو پہنچ گیا

جس طرح عشق و محبت باعث وصال ہے۔ اسی طرح علم سبب حصول قطبیت و سعادت ہے۔ سوائے علم کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ ع

کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

منزلِ سعادت ایک اعلیٰ منزلِ عرفان ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

٢٣ رِجَالِیْ فِیْ هَوَاجِرِهِمْ صِيَامٌ

میرے بھائی بند (مریدین) موسم گرما میں روزہ دار ہیں

وَفِیْ ظُلَمِ اللَّيَالِیْ كَاللَّاٰلِیْ

اور شب ہائے تاریک میں (روشنی عبادت سے) موتیوں کی طرح (چمکتے) ہیں

اپنے مریدوں کی ریاضت شاقہ کا بیان فرماتے ہیں کہ وہ موسم گرما میں روزہ رکھتے ہیں یعنی صائم الدہر ہیں۔ اور زاہدانِ شب زندہ دار بھی ہیں جن کی پیشانی باعث نورِ عبادت رات کی تاریکی میں موتیوں کی طرح چمکتی ہے۔



٢٤ وَكُلُّ وَلِیٍّ لَّهٗ قَدَمٌ وَّاِنِّیْ

ہر ایک ولی میرے قدم بقدم ہے اور میں

عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بَدْرِ الْكَمَالِ

پیغمبر خدا صلعم کے قدم پر ہوں جو (آسمانِ رسالت کے) بدرِ کمال ہیں

اس شعر میں شرع محمدی کے اتباع کا ذکر ہے کہ تمام اولیائے زمین شریعت اور معرفت کے طریقوں میں میرے تابع ہیں اور میں حضور علیہ السلام کے تابع ہوں کیونکہ کوئی شخص سوائے شریعت محمدی کے ہدایت نہیں پاسکتا۔ قدم کا مسئلہ مشہور ہے جس کا ذکر کئی معتبر کتابوں میں آیا ہے۔ حضرت نے ایک دن قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله فرمایا تو جہاں کہیں اقطاب یا اولیاء تھے انہوں نے اسی حالت میں اپنی گردن جھکالی جن اقطاب نے مجلس میں گردن جھکائی اُن سے مریدوں نے پوچھا جواب ملا کہ حضرت شیخ عبدالقادر محی الدین قدس سرہ العزیز نے بغداد میں قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ فرمایا ہے اسلئے ہم پر گردن جھکانا واجب ہے۔

٢٥ مُرِيْدِیْ لَا تَخَفْ وَاشٍ فَاِنِّیْ

اے میرے مرید تو کسی چغل خور سے مت ڈر

عَزُوْمٌ قَاتِلٌ عِنْدَ الْقِتَالِ

کیونکہ میں جنگ میں ثابت قدم قاتل (اعداد) ہوں

چغل خور لوگوں کو میری مخالفت پر جھوٹی باتیں بناکر آمادہ کرتا ہو۔ تم اس کی اس چال سے مت ڈرو خواہ کتنے ہی مخالف میرے مقابلہ میں آئیں تہ تیغ ہونگے کیونکہ میں جنگ میں ثابت قدم اعداکش ہوں اور ہمیشہ جماعت خدا کو فتح و ظفر ہوتی ہے۔

أَنَا الْجِيلِيُّ مُحْيِ الدِّيْنِ اِسْمِي

میں گیلان کا رہنے والا ہوں محی الدین میرا لقب ہے

وَأَعْلَامِي عَلٰى رَأْسِ الْجِبَالِ

اور میری رفعت کے نشان پہاڑوں کی چوٹیوں پر (درخشاں) ہیں

حضرت کا نام عبد القادر لقب محی الدین۔ جیلان۔ جو بغداد کے نواح میں ایک پرگنہ ہے جس میں چند دیہات ہیں (اُن میں ایک کا نام نیق ہے جہاں حضرت پیدا ہوئے) ایک دن آپ نے راستہ میں ایک مریض ناتواں کو جو اُٹھ نہیں سکتا تھا۔ دیکھا۔ اُس نے عرض کی کہ آپ مجھ کو سہارا دیکر اٹھائیں۔ آپ نے اسکو اٹھایا اور پوچھا کہ تُو کون ہے۔ اس نے کہا کہ میں دین ہوں ضعیف اور ناتواں مردہ سا ہوگیا تھا۔ آپ کی بدولت قوی اور زندہ ہوا۔ جب آپ جامع مسجد میں تشریف لے گئے تو تمام لوگ حضرت کو بجائے عبد القادر کے محی الدین کے لقب سے پکارنے لگے۔ رفتہ رفتہ یہ لقب زیادہ شہرت سے بمنزلہ اسم ہوگیا۔ اسی وجہ سے آپ نے محی الدین کو بھی اپنا اسم فرمایا ہے۔

أَنَا الْحَسَنِيُّ وَالْمُخْدَعُ مَقَامِي

میں امام حسنؓ کی اولاد سے ہوں اور مخدع میرا مقام ہے۔

وَأَقْدَامِي عَلٰى عُنُقِ الرِّجَالِ

اور میرا قدم تمام آدمیوں (اولیائے زمان) کی گردن پر ہے۔

جیسا کہ نسب نامہ میں مذکور ہوا حضرت کی نسب امام حسن (رضی اللہ عنہ) سے ملتی ہے۔ مخدع معرفت میں ایک مقام ہے جسکو مفصل شرح میں تفصیل سے لکھا گیا ہے وہاں دیکھنا چاہیئے۔

۲۹ وَعَبْدُ الْقَادِرِ الْمَشْهُوْرُ اِسْمِي

میرا مشہور نام عبد القادر ہے

وَجَدِّي صَاحِبُ الْعَيْنِ الْكَمَالِ

اور میرا نانا مالک چشمۂ کمال کا ہے

حضرت کا مشہور نام عبد القادر رحمۃ تھا۔ جو بعد میں محی الدین ہوا۔ جدّ نانا اور دادا دونو پر بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ شجرۂ نسب میں مذکور ہے۔ حضرت غوث الاعظم قدس اللہ سرہ العزیز کے نانا۔۔۔۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور عین کمال سے مراد اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ہے حضرت اس شعر میں فخر نسبی کا اظہار فرماتے ہیں کہ جب آپ کا نسب حضور علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ جو سرچشمۂ کمال ہیں۔ تو بحکم اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِيْهِ آپ کی ذات بھی جامع کمالات ہوئی۔



شرح مفصل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(۱) سَقَانِی الْحُبُّ کَاسَاتِ الْوِصَالِ
فَقُلْتُ لِخَمْرَتِیْ نَحْوِیْ تَعَالِیْ

سَقَانِیْ۔ صیغہ ماضی معلوم۔ نون وقایہ۔ یائے متکلم مفعول۔ مصدر اس کا سَقْیٌ ہے۔ سِقَایَۃٌ۔ پانی کا برتن۔ سَاقِیَۃٌ چھوٹی نہر جمع اس کی سَاقِیَاتٌ ہے۔ سَاقِیْ پانی پلانے والا۔ حُبّ بضم حا مصدر۔ دوستی رکھنا۔ مَحَبَّتْ حُبّ کی مصدر بھی ہے فعل۔ حَبَّ یَحِبُّ ہے۔ کَاسَات جمع کاس۔ پانی پینے کا برتن۔ یا وہ پیالہ جس میں شراب ہو۔ اگر اس میں شراب نہ ہو۔ تو زجاجہ۔ اِنَاء۔ قدح کہیں گے چونکہ کاس مؤنث ہے۔ اس لئے جمع اس کی کَاسَات ہے اور کُؤُوْس بھی ہے۔ وِصَال بوزن فعال۔ مصدر۔ ملنا۔ ملاقات۔ اس وزن پر مصدر مفاعلہ کا آنا مشہور ہے۔ جیساکہ قتال وعلاج۔ قُلْتُ بصیغہ واحد متکلم ماضی معروف۔ فَا۔ نتیجہ۔ قَوْل کہنا۔ خَمْرَتِیْ۔ خَمْرَہ۔ عرق انگور شراب۔ محاورہ میں آیا ہے۔ خَمَرَ الشَّیْءَ سَتَرَہٗ۔ شراب سے چونکہ عقل جاتی رہتی ہے۔ اس لئے اس کو خمر کہا گیا ہے۔ اس شعر میں مطلق شراب

؎ اس نے اس چیز کو پوشیدہ کر لیا یا ڈھانک لیا۔

کی طرف خطاب ہے۔ خَمْرَۃٌ کھجوروں کا معنی۔ خُمَار نشہ ٹوٹنے کی حالت خمرہ سے مراد اسرار الٰہیہ ہیں۔ جو بعد وصال عاشق کو حاصل ہوتے ہیں۔ یہ اسرار بقدر وسعت واستعداد درجۂ وصال عطا ہوا کرتے ہیں۔ نَحْوٌ طریقہ۔ جانب۔ تَعَالِیْ امر حاضر معلوم مؤنث۔ باب تفاعل سے ہے۔ تَعَالٰی۔ تعالیًا۔ بلند ہوا۔ اوپر والا جب نیچے والے کو اپنی طرف بلاتا ہے۔ تو کہتا ہے تَعَالْ پھر یہ لفظ رفتہ رفتہ بمعنی ھَلُمَّ ہو گیا جس میں بلندی اور پستی کا لحاظ نہیں۔ بلکہ مطلق بلانا مقصود ہوتا ہے۔

اس شعر پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ بروئے قاعدہ تَعَالَیْ بفتح لام چاہئے تھا۔ خواہ مفرد ہو۔ خواہ تثنیہ۔ یا جمع۔ مذکر ہو یا مؤنث۔ تَعَالَیَا یَا رَجُلَانِ۔ تَعَالَوْا یَا رِجَالُ۔ تَعَالَیْ یَا امْرَأَۃُ۔ تَعَالَیَا یَا امْرَأَتَانِ تَعَالَیْنَ یَا نِسَاءُ۔ پس اس جگہ تَعَالِیْ بکسر لام پڑھنا درست نہ ہوا۔ لیکن محیط میں اس امر کو صاف کیا گیا ہے۔ کہ کبھی کبھی جمع مذکر میں ضمہ لام تَعَالُوْا اور واحدہ مؤنث وجمع مؤنث میں کسرہ تَعَالِیْ اور تَعَالِیْنَ بھی پڑھتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ تَعَالِ اسم فعل بھی ہے مگر یہ ثبوت کا محتاج ہے۔ یہاں اشباع کر کے تَعَالِیْ پڑھا گیا ہے۔ ہر دو توجیہ درست ہیں۔ حُبّ کسی چیز کو عزیز یا معظم خیال کر کے اس کے قرب وحصول کا بشوق دل خواہشمند ہونا۔ اس کے کئی مدارج ہیں۔ حُبُّکَ الشَّیْءَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ خدا کی محبت کے مدارج سے ایک درجہ یہ ہے جس میں مَاسِوَی اللہ سالک کی نظر سے بالکل مٹ جاتا ہو

؎ ادھر آؤ۔ ؎ چیز کی محبت تجھے اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔

اور محب کو سوائے جل جلالہٗ کے اور کسی چیز کا تصور و حضور نہیں رہتا۔ اسی کا نام کمال محبت ہے یہی درجہ بقا باللہ کا ہے۔ اور اس کا نتیجہ وصال ہے کیونکہ وصال کی تعریف ہے کہ محب اور محبوب میں کوئی پردہ حائل نہ رہے۔ پس جب مَاسِوَی اللہ نظر سے مٹ گیا۔ تو حجاب دُور ہوا اور انوارِ تجلیاتِ الٰہیہ سے دل روشن ہو گیا۔ اسی مفہوم کے اعتبار سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لقب حبیب اللہ ہے جیسا کہ ترمذی میں آیا ہے کہ ذات باری تعالیٰ اور آنحضرت صلعم میں کوئی درمیانی پردہ حائل نہ رہا تھا۔ خدا کا حبیب خدا کے سوا کسی کو خیال میں نہیں لاتا۔ اور یہ خطاب ورتبہ نبی کے لئے مختص ہے۔ ولی، غوث، قطب کو اس خطاب سے مخاطب نہیں کرتے۔ کلیم اللہ و رُوح اللہ جو موسیٰ و عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کے خطاب ہیں حبیب اللہ کے رتبہ سے کم ہیں۔ کیونکہ ان میں کلام اور رُوح (امر رب) کا واسطہ ہے۔ اور حبیب کے مفہوم میں کوئی واسطہ نہیں ہے جس طرح ساقی ذریعۂ حصولِ شراب ہے۔ اسی طرح حُبّ واسطہ وصال ہے۔ کوئی شخص بلا حُبّ کسی چیز کو حاصل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ حُبّ میں ارادہ ضروری ہے۔ اور جہاں ارادہ نہیں وہاں حرکت اِلَی الْحُصُوْل نہیں ہے۔ حب کو ساقی سے اور وصال کو کاسہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسا کہ حُبِّیْ الْمَاءِ اور کاساتِ وِصَال سے مراد مشاہدۂ انوارِ تجلیاتِ الٰہیہ ہے۔ اور وصالِ خدا کے یہی معنی ہو سکتے ہیں۔ ورنہ وصال حسّی اور ظاہری ممتنع ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ[1] محبت الٰہی کے یہ معنی نہیں کہ دنیا

[1] لوگوں کی نظریں اُس کو نہیں دیکھ سکتیں اور وہ لوگوں کی نظروں کو دیکھتا ہے۔

کو ترک کر کے اُن جوگیوں اور بیراگیوں کی تقلید کی جائے جو دھونی رما کر خلقت کو لوٹنے کے لئے جنگل میں جھونپڑیاں بنا لیتے ہیں۔ بلکہ محبت کا راستہ قرآن مجید میں بتایا گیا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[1] اس سے ثابت ہوا کہ سوائے شریعت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے دوسرا کوئی راستہ محبت الٰہی کا نہیں ہو سکتا۔ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ[2]۔ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید | کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

پس جب تک درجۂ وصال حاصل نہ ہو ایسے اسرار سے کوئی واقف نہیں ہو سکتا اس کی مثال یہ ہے کہ جب تک کوئی کسی شہنشاہ کی بارگاہ میں وزراء کے زمرہ میں داخل نہیں ہوتا۔ امور سلطنت اور مصالح حکومت سے واقف نہیں کیا جاتا۔ جس طرح بادشاہوں کے دربار میں پہلے کسی کو باریابی کا رتبہ حاصل ہوتا ہے۔ بعد ازاں اُس کو اُمورِ سلطنت کے مشورے میں شامل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس حالت کا قیاس کرنا چاہیئے۔ پس وصال کا راستہ شریعت کی اتباع اور کثرتِ نوافل ہے۔ بعد وصال حقیقت کی آگاہی کا رتبہ حاصل ہوتا ہے۔ خمرتی کی یائے متکلم میں ایک لطیف اشارہ ہے یعنی میری شراب گویا شرابِ عرفان بوجہ حصولِ نعمتِ وصال حضرت کی ملک ہو گئی ہے۔ جب کوئی چیز کسی کی ملک ہو جاتی ہے۔ تو اس کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس کو خود

[1] اے پیغمبر کہہ دو کہ اگر تم خدا کی محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ تاکہ خدا تم کو دوست رکھے۔

[2] جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی تلاش میں ہو تو خدا کے ہاں اس کا وہ دین مقبول نہیں ہو

استعمال کرے۔ یا اوروں کو دے ابتداء میں مرشد مرید کو جو رہنمائی کرتا ہے۔ وہ حُبّ ہے۔ اور جب محبت سے کاسۂ وصال حاصل ہوتا ہے۔ تو پھر وہ کاسۂ وصال کا مالک ہو جاتا ہے۔

ترجمہ

محبت نے مجھے وصال کے پیالے پلائے۔ تو میں نے اپنی شراب یا ساقی کو کہا کہ ادھر آؤ۔

تشریح۔ محبت الٰہی نے مجھے وصال الٰہی کے رتبہ پر پہنچایا۔ اور اسرارِ الٰہی کے سمجھنے کی استعداد دی۔ یا رموز الوہیت حاصل کرنے کا متحمل ہو سکا۔ تو جرعۂ شرابِ حقیقت کو جو میرے لئے مقدر تھا طلب کیا۔ وصال سے چونکہ رتبۂ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کا بلند ہو گیا تھا۔ اس لئے اسرارِ حقیقت کے مطالعہ کا (جو قدرت کے نہاں خانہ میں مخفی تھے) شوق ہوا۔ وصال کے بعد انوار و اسرار الٰہی واصل باللہ کے دل پر شعلۂ آتش کی طرح آشکارا ہوتے ہیں۔ اس میں ایک اور نکتہ ہے۔ جس طرح پانی نشیب کی طرف بہتا ہے۔ اسی طرح اسرار الوہیت واصل باللہ کے دل کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ حضرت شیخ قدس اللہ سرہ العزیز کو استعداد و ملکۂ اسرارِ الٰہیہ کا حاصل ہونا گویا اسرار کو اپنی طرف کھینچنا ہے۔ هُوَ الْهَادِیْ اِلٰی حَقَائِقِ اَسْرَارِہٖ[1] ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک آتشِ شوق تیز تر گردد

یا یہ معنی ہیں کہ خمرہ (اسرار الٰہیہ) کو جو مبدائے فیض ہے تعظیماً اپنی طرف

---

[1] اللہ ہی اسرار الٰہیہ کی حقیقتوں کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔

متوجہ کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ کوئی کریم انعام بانٹ رہا ہو اور کوئی فقیر کہے۔ کہ میری طرف بھی نگاہِ کرم ہو۔ اس صورت میں امر بطریق تعظیم ہو گا۔ ؎

زندگانی نتواں گفت بجائے کہ مراست

زندہ آنست کہ با دوست وصالے دارد

قرآن مجید میں محبت۔ نفرت۔ فضل کے درجہ کو آیات ذیل میں ظاہر کیا گیا ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ[1] وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ[2] ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ[3] اور اسی طرح اشعارِ ذیل ہیں۔

اَتَانِیْ هَوَاهَا قَبْلَ اَنْ اَعْرِفَ الْهَوٰی[4] فَصَادَفَ قَلْبًا خَالِیًا فَتَمَكَّنَا ؎

مائیم و کنجِ وحدت و آسودگیِ دل

اے درد گوشہ گیر بدار الامانِ ما

عشق کا خالی دل میں متمکن اور دار الامان دل میں جاگزین ہونا استعارۂ وصال ہے۔

---

[1] اور جو ایمان والے ہیں اُن کو تو سب سے بڑھ کر خدا کی محبت ہوتی ہے۔ [2] اور اللہ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔ [3] یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عنایت کرے۔ اور اللہ کا فضل بہت بڑا ہے۔ [4] مجھ کو اس کا عشق اس وقت ہوا۔ جبکہ میں عشق سے ناواقف تھا وہ عشق میرے خالی دل میں جاگزین ہوا۔

(۲) سَعَتْ وَمَشَتْ لِنَحْوِیْ فِیْ کُئُوْسٍ
فَهِمْتُ بِسُکْرَتِیْ بَیْنَ الْمَوَالِیْ

سَعَتْ ۔ فعل ماضی ضمیر فاعل راجع ہے خَمْرًا کی طرف۔ السعی قصد کرنا۔ کام کرنا چلنا دوڑنا۔ مَشَتْ ۔ صیغہ ماضی۔ المشی ۔ چلنا جلدی یا آہستہ سعی و مشی میں عام طور پر یہی فرق ہے کہ دوڑنے اور چلنے میں ہوتا ہے۔ لِنَحْوِیْ ۔ لام زائد۔ نحو طرف۔ جانب۔ کُئُوْسٍ جمع کاس۔ جس کی تشریح پہلے شعر میں ہو چکی ہے۔ فَهِمْتُ پر فا جزائے سَعَتْ وَمَشَتْ ہے۔ یا جزائے شرط محذوف ہے یعنی اذا کان کذا۔ هِمْتُ صیغہ ماضی متکلم هَیْم۔ هَیَمَان مصدر۔ سرگشتہ ہونا شیفتہ ہونا۔ هَامَ اِلَی الْاَمْرِ۔ اُس نے اس کام کا قصد کیا۔ هَامَ فِیْهِ وہ اس امر میں متحیّر ہوا۔ اس جگہ قصد سے اس کا پینا مراد ہو سکتا ہے بِسُکْرَتِیْ بضم سین وفتح سین ہر دو جائز ہے۔ یا سبب سُکْرَۃ ضلالت۔ گمراہی ۔ مستی۔ سَکْرَۃُ الْمَوْتِ شدۃ الموت یکسَر سُکْرًا بضم و سُکُرًا بضمتین و سَکَرًا بالفتح و تحریک۔ بَیْنَ ۔ جدائی۔ وصل متضاد معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ اور کبھی ظرف کے معنی دیتا ہے یہاں ظرف کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ المَوَالِیْ جمع مولی ۔ خداوند۔ دوست۔ مددگار ہمسایہ ۔ چچیرا بھائی ۔ مصاحب ۔ غلام ۔ کلام اللہ میں آیا ہے۔ وَاِنِّیْ[1] خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ ۔ مستی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک کہ کوئی دوا

[1] اور اپنے مرنے کے پیچھے مجھ کو اپنے بھائی بندوں کا خوف ہے کہ کہیں میرے بعد دین میں کچھ خرابی نہ ڈالیں۔
پ ۱۶ ع ۴

اُن عروق کو (جن سے فہم۔ فکر۔ تمیز۔ کی قوت وابستہ ہے) بہیس کردے اور اُن کا فعل بند ہو جائے جیسا کہ شراب پینے سے انسان کی حالت ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ کوئی امر دماغ۔ دل۔ روح پر ایک خاص اثر ڈالے جس سے انسان بے ہوش ہو جائے انسان جب کوئی امر خلاف عادت دیکھتا ہے۔ یا غیر متوقع نعمت اس کو حاصل ہوتی ہے۔ تو اُس کے دماغ میں خون کا دورہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی بیشمار مثالیں ہیں۔ کوئی معشوق کو دیکھ کر گر پڑتا ہے۔ کوئی دولت غیر متوقع کے ملنے سے شادی مرگ ہو جاتا ہے۔ کوئی شعر کو سن کر وجد میں آتا ہے۔ کوئی وعظ و نصیحت سے متاثر ہو کر روتا اور چلاتا ہے۔ کوئی نغمہ و سرود پر بیخودی میں ناچتا ہے۔ ان مثالوں سے ثابت ہے کہ بعض خارجی اشیاء کا اثر انسان کے دل و دماغ پر ضرور پڑتا ہے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ جب کوئی فاضل کسی ادق مسئلہ یا منطق یا تصوف کے اصول پر بحث یا کوئی محدث یا مفسر حدیث یا تفسیر کے نکات بیان کرتا ہو۔ تو اس سے طالب علم کو ایک قسم کا سرور حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کی توجہ من کل الوجوہ مقرر کی تقریر میں محو ہو جاتی ہے۔ ان مجازی مثالوں پر حقیقی مثالوں کو بھی قیاس کر لینا چاہیئے جب خداوند تعالیٰ اپنے کسی خاص دوست پر اسرار قدرت (جن کو ہماری عقل اور حواس خمسہ نہیں پا سکتے) ظاہر کرتا ہے تو عارف باللہ پر غشی طاری ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے اَللّٰهُ[1] نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ ۔ اور

[1] اللہ نے بہت ہی اچھا کلام یعنی کتاب اتاری جس کی باتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں اور ایک ہی بات کو کھانے کے لئے بار بار دہرائی گئی ہیں (اس کتاب کی تاثیر ہے کہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اس کے سننے سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کے جسم اور دل نرم ہو کر یاد الٰہی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

دوسری جگہ آیا ہے۔ "اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ"[1] اور بتواتر صوفیائے کرام سے مروی ہے کہ شیخ جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کے تلامذہ پر اکثر یہ حالت طاری ہوتی تھی کہ عالم دنیا سے بیخبر ہو جاتے تھے۔ اور عورتیں ان سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ کیونکہ شیخ رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ ان میں حس و عقل مطلقاً نہیں ہے۔ حجاب مت کیجئے جب وہ ہوش میں آتے تو عورتیں پردہ کرتیں۔ شیخ یوسف نبہانی نے جامع کرامات الاولیاء میں اس کو شرح بیان کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب امور خارجیہ عالم جسمانی میں اپنا اثر دکھلاتے ہیں تو بطریقِ اولیٰ اسرارِ حقیقت جو ان سے زیادہ ادق اور حیرت افزا ہوتے ہیں روح پر ایک خاص کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ اور یہی سکر ہے۔

واجب الوجود (خدا تعالیٰ) کے اسرارِ قدرت ممکن الوجود (انسان) کو محسوس مثالوں میں سمجھائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ بہشت کی تعریف۔ "اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ"[2]۔ یہ محقق ہے کہ بہشت کے باغ۔ نہریں۔ میوے حور اور غلمان دنیا کے باغوں۔ نہروں۔ میووں اور حسینوں سے کہیں بڑھکر ہیں۔ اور ان کی کیفیت کچھ اور ہی ہے۔ چونکہ یہ کیفیت خدا تعالیٰ نے بموجب "كَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ"[3] سمجھانی تھی۔ اس لئے موجودہ مثالوں سے تشریح فرمائی۔ عارف کو اسرارِ قدرت محسوسات میں دکھائے جاتے ہیں جیسا کہ خواب میں امثال محسوسہ ایک کیفیت کو ظاہر کرتی ہیں۔ لہذا کئوس سے مراد محسوسات ہیں جن کی تمثیل سے آثارِ قدرت سمجھائے جاتے ہیں۔ یا کئوس سے

---

[1] خدا کی یاد سے دلوں کو تسلی ہوا کرتی ہے۔ پ ۱۳ ع ۹۔ [2] ان کے لئے بہشت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہونگی [3] ان سے ان کی سمجھ کے موافق بات چیت کرو۔

مراد روح۔ جسم اور دل ہے۔ یعنی بعض اسرار جسم پر بعض دل پر بعض روح پر طاری ہوتے ہیں۔ اس لئے لفظ کئوس (جمع) استعمال ہوا۔ اور نیز لفظ کو جمع باعتبار انواع مختلفہ لانا محاورہ میں آیا ہے۔ جیسا کہ ربّ العٰلمین باعتبار انواع مختلفہ کے ہے۔ سَعَتْ و مَشَتْ میں یہ نکتہ ہے کہ شراب اسرار الوہیت دوڑ کر میری طرف آئی گویا میرے جذبۂ دل نے اسرار الٰہیہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

سُکر۔ اصطلاح تصوف میں غلبۂ محبت کا نام ہے اور صحو و سکر کی تعریف عوارف المعارف میں اس طرح کی گئی ہے۔ کہ اَلسُّكْرُ اِسْتِيْلَاءُ سُلْطَانِ الْحَالِ وَالصَّحْوُ الْعَوْدُ اِلٰى تَرْتِيْبِ الْاَفْعَالِ وَتَهْذِيْبِ الْاَقْوَالِ

سکر بادشاہ حال (محبت و عشق) کے غلبہ کو کہتے ہیں۔ اور صحو سلطان حال کا انتظام حکومت و ترتیب آئین و تدوین کی طرف توجہ مبذول کرنا ہے۔ اس کی تشریح دو مثالوں میں کی جاتی ہے۔

اوّل۔ کوئی بادشاہ جو اپنے حریف کی سرکشی سے غیظ و غضب میں اگر اس کے ممالک پر فوج کشی کرکے تاخت و تاراج کرتا ہے بمنزلہ سکر ہے۔ کیونکہ سکر میں تشویش اور انتشار حالات لاحق ہوتا ہے۔ جب ملک کو تسخیر کرکے کلیۃً متصرف ہو جاتا ہے۔ تو اس ملک کے واسطے قانون۔ آئین سپاہ اور عدالتیں مقرر کرتا ہے۔ یہ کیفیت بمنزلہ صحو ہے۔

دوم۔ اگر کوئی شخص کسی کے حسن و جمال کو دیکھ کر شیفتہ ہوتا ہے۔ تو یہ کیفیت بمنزلہ سکر ہے لیکن جب گوہر مقصود اس کے ہاتھ آتا ہے۔ تو خانہ داری کے انتظام میں مشغول ہوتا ہے اس حالت کا نام صحو ہے۔ عوارف المعارف

میں یہ بھی لکھا ہے کہ وجد چار قسم ہے۔ اوّل ذہول۔ دوم حیرت۔ سوم سُکر۔ چہارم صحو۔ مثلاً ایک شخص جو دریا میں تیرنے کا شایق ہو پہلے دریا کی آواز سُنتا ہے اور پھر اُس کے کنارے پر پہنچ کر شوق سے اس میں داخل ہوتا ہے۔ اور تیرنے لگتا ہے۔ دریا کی آواز جو اُس کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ ذہول ہے۔ دریا اور اُس کی وسعت اور تلاطم کا دیکھنا حیرت ہے۔ اور اُس میں شوق سے کود پڑنا سُکر اور تیرنا صحو ہے۔ کیونکہ تیرنا من وجہٍ تیراک کی غرض ہے۔ سُکر و صحو کے معنے ان آیات سے واضح ہوتے ہیں سُکر کا فعل بندہ کی طرف۔ اور صحو کا خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

قَتَلَ دَاوُدُ جَالُوْتَ یعنی داؤد علیہ السّلام نے جالوت کو قتل کیا۔ چونکہ داؤد علیہ السّلام کی حالت حالتِ سکر تھی۔ اس لئے قتل داؤد علیہ السّلام کی طرف منسوب کیا گیا۔ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی[1] چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی حالت صحو کی تھی اس لئے آنحضرت صلعم کے فعل کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ[2] حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت عین خدا کی بیعت ہے۔ ؎

گرچہ تیر از کماں ہمے گزرد   از کماندار بیند اہلِ خرد

وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا[3] چونکہ موسےٰ کی حالت سُکر کی تھی۔ اس لئے وہ تجلی الٰہی کی برداشت نہ کر سکے۔ اور غش کھا کر گر پڑے۔ اور حضور سلطان الانبیاء صحو

۱؎ اے پیغمبر جب تم نے تیر چلائے تو تم نے تیر نہیں چلائے بلکہ اللہ نے چلائے پ ۹ ع ۱۷ ۲؎ جو لوگ زیر صلح مریدیبیعت کے وقت تمہارے ہاتھ پر لڑنے کی بیعت کر رہے ہیں۔ وہ تم سے نہیں۔ بلکہ خدا ہی سے بیعت کر رہے ہیں پ ۲۶ ع ۹۔ ۳؎ اور موسےٰ غش کھا کر گر پڑے پ ۹ ع ۱۷

کی حالت میں تھے۔ قاب قوسین کا فاصلہ پر خداوند تعالیٰ کے انوار تجلیات کا کمال استقلال کے ساتھ مشاہدہ کرتے رہے۔ کوئی غشی۔ سرگردانی اور بے ہوشی طاری نہ ہوئی۔ اسی حالت کو خداوند تعالیٰ نے مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی[1] کے الفاظ میں بیان فرمایا۔ صحو و سکر کی ایک اور مثال ہے۔ کہ یحییٰ علیہ الرحمۃ نے بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا۔ کہ اس شخص کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے۔ جو ایک قطرہ شراب محبت سے مست ہو جائے۔ بایزید نے لکھا کہ آپ کی اس شخص کی نسبت کیا رائے ہے۔ کہ اگر دنیا کے تمام دریاؤں کو شراب محبت فرض کیا جائے اور وہ سب کو پی جائے اور ابھی اس کی پیاس نہ بجھے۔ اس گفتگو سے سمجھنا چاہیئے کہ یحییٰ کا خط سکر کی حالت اور بایزید علیہ الرحمۃ کا صحو کی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کے متعلق کسی اہل دل نے کہا ہے ؎

شَرِبْتُ الْحُبَّ کَاْسًا بَعْدَ کَاْسٍ   فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَمَا رَوِیْتُ[2]

سُکر کی حالت میں انسان کی ہستی اور صفات قائم رہتی ہیں۔ اس حال میں جو فعل صادر ہوتا ہے۔ اُس کا فاعل وہی سمجھا جاتا ہے۔ اور صحو کی حالت میں انسان کی ہستی بذاتِ اللّٰہِ قائم سمجھی جاتی ہے۔ اور اس کی صفات بشریہ کو فانی خیال کیا جاتا ہے۔ اس لئے اُس کے افعال خداوند تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ بعض کتب تصوف میں سُکر کا اطلاق صحو پر بھی کیا گیا ہے۔ مندرجہ ذیل استشہاد اس مسئلہ پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہیں

(۱) مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ[3]

۱؎ پیغمبر کی نظر کسی طرف کو بہکی اور نہ جگہ سے اُچٹی۔ ۲؎ میں شراب محبت کا تشنہ ہوں پیالہ پر پیالہ پی رہا ہوں۔ نہ تو شراب ختم ہوتی ہے۔ نہ میں سیر ہوتا ہوں۔ ۳؎ جس نے رسول کی اطاعت کی۔ گویا اس نے حقیقۃً اللہ کی اطاعت

(۴) لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ فَکُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا اَلْحَدِیْث رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَلَنِعْمَ مَا قِیْلَ ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود
چوں روا باشد انا اللہ از درخت　　چوں روا نبود کہ گوید نیک بخت

سکر اور صحو کی حقیقت کا رتبہ بالاتر ہے۔ جب سالک منزل مقصود تک پہنچتے ہیں تو مست اور ہوشیار دونوں برابر ہو جاتے ہیں یعنی سکر اور صحو کا نتیجہ متحد ہو جاتا ہے جب قافلہ منزل پر پہنچتا ہے۔ تو جس طرح سوار اور پیادے برابر ہو جاتے ہیں ایسا ہی حقیقت پر واقف ہونے کے بعد سب امور متوسط سکر و صحو کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ جیسا کہ بایزید بسطامیؒ نے فرمایا ہے۔ لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ صحو اور سکر کی پوری تصویر اس قصہ سے ظاہر ہوتی ہے کہ ابو عثمان ہارونیؒ بیس سال ایسے عزلت گزیں رہے کہ کسی انسان کی آواز تک نہیں سنی مشقت عبادت سے وہ محض مشت استخواں رہ گئے۔

لہ بیشک بندہ میری طرف نفل پڑھ کر قرب حاصل کرتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں۔ پس جب میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو میں اس کا کان جس کے ساتھ سنتا ہے، اور آنکھ جس کے ساتھ دیکھتا ہے، اور ہاتھ جس سے پکڑتا ہے اور پاؤں جس کے سہارے چلتا ہے بن جاتا ہوں۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو حضرت ابی ہریرہ سے روایت کیا ہے سلہ جب بندہ نوافل کے ذریعہ خدا کے ولیوں سے قرب حاصل کرتا ہے۔ تو اس کا کہنا خدا کا کہنا ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ بندہ کے منہ سے نکلتا ہے۔ سلہ جب یہ جائز اور ممکن ہے کہ درخت انا اللہ کہے۔ تو کیوں غیر ممکن سمجھا جاتا ہے جب کوئی مرد صالح انا اللہ کہے سلہ میرے جامہ میں اللہ کے سوا کچھ نہیں ۱۲

اور اُن کی شکل بسبب لاغری کے ایسی مبدل ہوئی کہ پہچانے نہ جا سکتے تھے۔ بیس سال کے بعد صحبت کی اجازت ہوئی۔ انہوں نے یہ مناسب سمجھا کہ مجاوران بارگاہ قدس و بساط بوسان درگاہ معلّٰی کی خدمت میں رہنا چاہیے۔ اس لیے انہوں نے مکہ معظمہ کا قصد کیا۔ وہاں کے اولیاء اللہ کو کشف سے اُن کی تشریف آوری کا علم ہوا۔ وہ استقبال کو نکلے تو دیکھا کہ ابو عثمان کی بصارت کمزور اور شکل بالکل تبدیل ہو گئی ہے پوچھا کہ اس قدر مشقت عزلت برداشت کرنے اور پھر اس طرف رجوع کرنے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ چندے سکر میں رہا۔ اور سکر کی آفات و مصائب سے تنگ آ کر آپ کی صحبت میں آیا ہوں۔ یعنی حالت صحو کی طرف رجوع کیا ہے۔

ترجمہ

وہ شراب دراں حال کہ پیالوں میں تھی میری طرف (جب پیالے شوق) دوڑتی ہوئی آئی تو میں نے اپنے احباب میں بحالت مستی اُس کو پیا۔ یا میں بسبب مستی مجمع احباب میں سرگشتہ و شیفتہ ہوا۔

تشریح ۔ جب میں واصل باللہ ہوا۔ جیسا کہ شعر اول سے سمجھا جاتا ہے اور میں نے اپنا مقدر حصہ اسرار عرفان کا طلب کیا۔ تو اسرار عرفان مختلف شکلوں صورتوں میں نہایت شوق سے میرے دل پر ظاہر ہونے لگے۔ اُن کو میں نے اپنے دل دماغ۔ روح اور چشم بصیرت میں جگہ دی۔ میرے احباب میری اس حالت شراب نوشی کو دیکھ رہے تھے۔ یا یہ کہ میرے دوست مجلس مشاہدہ میں اس فیضان و برکت کے حصول میں میرے شریک تھے۔ یا یہ کہ اسرار عرفان جن کا

تعلق دل سے ہے وہ دل میں اور جو روح کے متعلق تھے وہ روح میں اور جو حواس ظاہری کے متعلق تھے وہ ظاہری حواس کے آئینہ میں جلوہ گر ہوئے جس طرح ہم عالمِ محسوسات کے امور مختلفہ کو حس سے دریافت کرتے ہیں۔ مثلاً آواز کو کان سے۔ رنگ کو آنکھ سے۔ نرم اور سخت۔ گرم اور سرد کو ہاتھ سے۔ اسی طرح اسرار عرفان کا تعلق مختلف قوائے باطنی سے ہے۔ یہ شعر مصرع

سَقَانِی الْحُبُّ كَاسَاتِ الْوِصَالِ

کی تفسیر ہے۔ یعنی مجھے محبت نے وصال کے پیالے پلائے۔ اور بجائے اس کے کہ میں پیالوں کی طرف ہاتھ بڑھاتا۔ پیالے خود بخود میری طرف دوڑتے چلے آئے۔ اور میں نے دوستوں کے ساتھ اُن کو پیا۔ یا یہ ایک علیحدہ مضمون ہے جس کا پہلے مصراع سے تعلق نہیں۔ اور اس میں بمقابلہ مصراع اوّل کے ایک اعلےٰ رتبہ پر فائز ہونے کا اظہار ہے۔

(۳) فَقُلْتُ لِسَائِرِ الْاَقْطَابِ لُمُّوْا
بِحَالِیْ وَادْخُلُوْا اَنْتُمْ رِجَالِیْ

فا۔ عاطفہ ترتیب حالات کے لئے ہے۔ قُوْلُ سے مراد یا تو لفظاً اقطاب کو دعوت دینا ہے۔ یا معناً کشف سے اُن کے دلوں کو جذب کرنا ہے۔ نیز اس میں اشارہ ہو کہ ایک عارف دوسرے عارف کی حالت و گفتگو کو دیکھ اور سُن سکتا ہے حضرت عبد اللہ طفسونجی کی نسبت (جو بغداد سے کئی منزل دور رہتے تھے) مشہور ہے۔ کہ حضرت غوث الاعظم قدس اللہ سرہ العزیز کا وعظ لفظ بلفظ بہ قوتِ کشف سُنتے تھے۔ سَائِرْ۔ بوزن فاعل۔ باقی۔ جمیع۔ بعض اعتراض کرتے ہیں کہ سائر بمعنی باقی ہے جمیع کے معنے لینا درست نہیں۔ یہ اعتراض صحیح نہیں۔ صُراح میں لکھا ہے۔ سائر الناس اے جمیعہم۔ اس جگہ بھی جمیع کے معنے موزون ہیں۔

اقطاب۔ جمع قطب۔ نام ستارہ (جو تقریباً ایک جگہ قائم رہتا ہے) علم ہیئت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان میں دو نقطے ہیں۔ شمالی و جنوبی۔ جو بالکل جنبش نہیں کرتے۔ ایک کو قطبِ شمالی۔ دوسرے کو قطبِ جنوبی کہتے ہیں۔

قُطْب سردارِ قوم (جس پر قوم کا دار و مدار ہو) اور چکّی کی کیلی کو بھی کہتے ہیں۔ اس جگہ اقطاب سے مراد وہ اولیاء اللہ ہیں۔ جو رتبہ قطبیت پر فائز ہوں۔

لُمُّوْا۔ صیغہ امر جمع مذکر۔ مخاطب اقطاب ہیں۔ محاورہ میں آیا ہے لَمَّہٗ اس کو جمع اور پیوست کیا۔ لَمَّ بِفُلَانٍ اُس کے پاس اترا۔ لَمَّ الطَّرِیْقَ۔ مسافر نے راستہ طے کیا۔ لَمَّ بِالْمَکَانِ۔ مکان میں اترا۔ لَمٌّ۔ مصدر اترنا۔ اپنا اور اپنے

یاروں کا حصہ کھانا پینا چنانچہ قرآن شریف میں ہے۔ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا
لَّمًّا[1] بِحَالِیْ میں با بمعنی فی۔ یا بمعنی ملابست و التصاق ہے۔ جس کے معنیٰ
ہوئے۔ کہ میرے حال میں داخل یا میرے حال کے ساتھ ملابس و ملصق ہو جاؤ
یا آپ مکان عرفان میں نہیں جا سکتے۔ جب تک میرے حال کا برقعہ نہ پہنو۔ یا
میری ہدایت پر نہ چلو۔ حال کی تشریح ہم شعر ۲۴ میں بسط و تشریح کے ساتھ لکھیں گے
(انشاء اللہ تعالیٰ) وَادْخُلُوْا۔ صیغہ امر جمع مذکر۔ دخول۔ کسی مکان میں داخل ہونا
استعارۃً کسی کے دل میں گھر کرنا۔ لج اور دخول میں یہ فرق ہے کہ لج عام ہے
خواہ کسی مکان کے اندر جانا یا صحن میں اترنا۔ اور دخول کسی مکان کے اندر داخل
ہونا یعنی صحن عرفان میں صرف اترنا کافی نہیں۔ بلکہ محل عرفان میں داخل ہونا ضروری
ہے۔ رِجَال۔ جمع رَجُل مرد پیادہ یا رجال جمع رَجْلان بوزن عطشان
(پیادہ) قرآن شریف میں ہے۔ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا[2] ۚ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ[3]
یا رجال سے مراد رفقاء۔ خدام بھائی بند ہیں۔ گویا حضرت غوث الاعظم قدس
سرہ العزیز سوار ہیں اور دوسرے اولیاء اللہ پیادہ۔ یا حضرت سپہ سالار۔ اور
اولیاء اللہ اُن کے سپاہی ہیں۔ جو ملک عرفان کو فتح کرنے کے لئے جاتے
ہیں۔ یا رجال سے مراد مریدان باصفا ہیں جن کو حضرت قدس اللہ سرہ العزیز
اپنی بارگاہ عرفان میں آنے کی ہدایت کرتے ہیں تاکہ یُحِبُّ لِلنَّاسِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ[4]

[1] تم اپنا اور اپنے یاروں کا نصیب کھاتے ہو پ۔ [2] تو پیدل یا سوار جس حالت میں ہو جیسے کرتے بن پڑے نماز ادا کرو پ۔ [3] ایسے لوگ خدا کی تسبیح و تقدیس بیان کرتے ہیں۔ جن کو سوداگری اور خرید و فروخت خدا کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل کرنے نہیں پاتی پ۔
[4] تو دوسروں کے لئے بھی وہی چیز پسند کر جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

کا مرحلہ طے ہو جائے۔

ترجمہ

پس میں نے دوسرے اقطاب کو کہا کہ میری منزل حال میں (عزم بالجزم سے)
آکر شامل ہو جاؤ۔ کیونکہ آپ میرے بھائی بند یار رفیق ہیں۔

تشریح۔ جب میں نے کاسۂ وصال پیا۔ اور اسرار عرفان کو پایا۔ تو میں نے اعلیٰ
طبقۂ اولیاء (اقطاب) کو دعوت دی کہ میرے مہمان سرا میں اتریں۔ اور حجرۂ
دعوت میں داخل ہو کر اس شراب کو پئیں جو خدائے تعالیٰ نے مجھے عنایت کی ہے
میں اس شراب کو اُن کے رتبہ۔ عزت اور استعداد کے موافق تقسیم کرونگا۔ یا جو
شراب معرفت مجھ کو دی گئی ہے۔ وہ اس قدر طاقتور ہے۔ کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی
دریا۔ آسمان۔ زمین پر ڈالا جائے۔ تو دریا خشک اور پہاڑ پھٹ جائے۔ آسمان
پاش پاش اور زمین ریزہ ریزہ ہو جائے (جیسا کہ اشعار ما بعد میں مذکور ہے)
اور قرآن شریف میں ہے۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا
مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ[1] آپ اس کے پینے کے اس وقت تک متحمل نہیں ہو سکتے
جب تک کہ میری متابعت و اصول کو اختیار اور اپنی خواہشوں اور ارادوں کو میرے ارادہ
کے تابع نہ کرو۔ جیسا کہ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو پابند کیا تھا۔ کہ وہ اُن
کے افعال و اقوال کی نسبت سوال نہ کریں۔ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ
شَیْءٍ حَتّٰۤى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا[2] میں اس لئے آپ کو کہتا ہوں کہ آپ میرے
بھائی بند اور ہم مشرب ہو۔ میرا اور آپ کا مطلب متحد اور غرض مشترک ہے چونکہ

[1] اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا اور اسی طرح اس کو بھی شعور ہوتا تو تم اس کو دیکھ لیتے کہ خدا کے ڈر کے مارے جھک گیا ہوتا۔ اور پھٹ جاتا پ ۲۸ رکوع ۶۔ [2] اگر تم کو میرے ساتھ رہنا منظور ہے۔ تو جب تک میں از خود تم سے کسی بات کا تذکرہ نہ کروں تم مجھ سے اس کی بات کچھ نہ پوچھنا۔

حضرت غوث الاعظم قدس اللہ سرہ العزیز معرفت میں اعلیٰ رتبہ رکھتے تھے۔ اس لئے اُن کا اقطاب کو دعوت دینا اظہارِ فخر نہیں بلکہ امرِ واقعہ ہے۔ اور اس میں چند نکات ہیں۔

(۱) مدارجِ ولایت میں بجز متابعت سنّتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہرگز کامیابی نہیں ہوتی چونکہ ولایت تابع نبوت ہے۔ اور نبوت کے مدارج حسب فضائل متفاوت ہیں۔ جس پر آیات کریمہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۱؎ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۲؎ دال ہیں اس لئے جناب غوث الاعظم بسبب کمال متابعت سنّت نبوی وعلوِ شان سب سے ممتاز تھے۔ یہ تعمیل ارشاد وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۳؎ اس نعمت کا اظہار بطور شکر ہے

(۲) اولیاء اللہ کو اپنے رتبہ کی اطلاع دیکر اعلیٰ مرتبہ کے حاصل کرنے کی رغبت دینا ایسا ہے جیسے کوئی استاد اپنے شاگردوں کو اُن علوم کی اطلاع دیتا ہے۔ جن میں وہ متبحر ہے ایک استاد کا طلبہ کو یہ کہنا کہ وہ علاوہ حدیث وتفسیر کے حکمت، ہندسہ، ہیئت کا بھی عالم ہے۔ اگر کوئی ان علوم کی تحصیل کرنا چاہے۔ تو کر سکتا ہے۔ یہ فخر نہیں ہوگا۔ بلکہ اظہارِ حقیقت اور ترغیب تحصیلِ علوم ہے۔

(۳) ہر ایک ولی اللہ کی یہ خواہش ہوتی ہے۔ کہ وُہ خدا کا قرب اور اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ حاصل کرے لیکن بعض اولیا اس وجہ سے کہ اُن کے مرشد رحلت فرما گئے ہیں یا وہ ایک خاص حد تک تعلیم دے سکتے ہیں۔ یا اُن کے راستہ میں کوئی امر مانع ہو

۱؎ یہ پیغمبر جو ہم نے بھیجے اُن میں سے بعض کو بعض پر برتری دی پ ۳ ع ۲ ۲؎ اور ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر برتری دی اور ہم ہی نے داؤد کو زبور (کتاب) عطا فرمائی پ ۱۵ ع ۶ ۳؎ اور لوگوں سے اپنے پروردگار کی اس بات کا تذکرہ کرتے رہنا (یہ بھی شکر گذاری کا ایک طریقہ ہے) پ ۳۰ ع ۲۲

جس سے وہ آئندہ ترقی نہیں کر سکتے۔ اس لئے حضرت قدس اللہ سرہٗ نے ایسے اولیاء اللہ کو امداد اور تعلیم روحانی دینے کے لئے آمادگی کا اظہار فرمایا ہے۔

(۴) بعض اولیاء اللہ ایک خاص درجہ تک پہنچ کر خیال کرتے ہیں کہ حدِ کمال کو پہنچ گئے ہیں۔ اور اس سے اوپر ترقی نہیں کر سکتے۔ ایسے طبقہ کی تسلی اور اطمینان کے لئے حضرت قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا کہ وہ ترقی کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ میرے طریقے کو اختیار کر کے حلقۂ متبعین میں داخل ہوں۔ اگر کوئی مہندس ہندسہ کے کسی سوال کی نسبت جو مشکل ہو۔ فائدہ عوام کے لئے یہ اشتہار دے کہ وہ اس مسئلہ کو حل کر سکتا ہے تو یہ فخر پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ یہ اشاعتِ علم ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ۔ (میں اللہ کا حبیب ہوں اور میں فخر نہیں کرتا)

(۵) اقطاب سے مراد ایسے مریدانِ درگاہ بھی ہو سکتے ہیں۔ جو ایک حد تک تعلیم روحانی پا کر رک گئے ہوں۔ اُن کو حضرت فرماتے ہیں کہ وہ اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ اُس سبب کو ترک نہ کریں۔ جس نے اُن کی ترقی کو روک دیا ہے۔ اور میری ہمت وجوانمردی کے اصول کو اختیار نہ کریں۔ میں اس خیال سے کہ وہ میرے پیرو ہیں۔ ان کی امداد کے لئے تیار ہوں۔

(۶) ہزاروں مثالیں ہیں کہ ایک ولی اللہ دوسرے ولی اللہ سے عرفان کے مشکل مسئلوں کے حل میں مدد لیتا ہے۔ اور یہ ایسا ہے جیسا کہ علوم وفنون میں ایک دوسرے سے مدد لیجاتی ہے۔ علامہ زمان شیخ الاسلام امام شعرانی کے کتب طبقات الکبریٰ ولطائف المنن وغیرہ میں لکھا ہے کہ اولیاء کے مشہور فرقے بعض صوفیا کے نزدیک علیٰ حسب مراتب اقطاب، ابدال، اوتاد وغیرہ ہیں جن کے ساتھ انتظام دین ودنیا وابستہ ہے۔ ان کی

تشریح ہم انشاءاللہ شعر آ میں کرینگے۔ ناواقفانِ اسرارِ الٰہی ایسی تقریروں کو سنکر تعجب اور انکار کرتے ہیں۔ لیکن اگر وہ ظاہری انتظامِ دنیا پر نظر ڈالیں تو یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے دنیا کا ظاہری نظام بادشاہوں کے ہاتھ میں دیا گیا ہو۔ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ[۱] اسی طرح عالمِ روحانی کے نظم و نسق کو خدا تعالیٰ نے ایک فرد سے وابستہ کر دیا ہے۔

؎ لَیْسَ مِنَ اللّٰہِ بِمُسْتَنْکَرٍ ✦ اَنْ یَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِیْ وَاحِدٍ[۲]

ایسے اعتراض صرف بوجہ عدم واقفیت کے جاتے ہیں جیسا کہ اندھا اعتراض کرے کہ آفتاب کس طرح دنیا کو روشن کرتا ہے۔ جو لوگ اس درجہ میں آتے ہیں ان پر جب اسرار آشکارا ہوتے ہیں۔ تو وہ بتصدیقِ قلب ایمان لاتے ہیں۔ جو لوگ اس حقیقت سے انکار کرتے ہیں۔ ان کی تسکین اور بہتری کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ اس منزل میں آئیں۔ اور اسرارِ عرفاں پر آگاہ ہوں اور دل و دماغ۔ روح کو روشن کریں۔

ع لطف ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

حضرت غوث الاعظم قدس اللہ سرہ العزیز کی دعوت میں وجہ اُن معترضین کو بھی شامل ہے جو ایسے بادیہ نشینوں کی طرح ہیں۔ جنہوں نے ریل۔ تار۔ نہر کو کبھی نہیں دیکھا۔ وہ ان کی روایتوں کو ناممکن خیال کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے یہی دلیل صداقت ہو سکتی ہے۔ کہ ان کو پکڑ کر کسی سٹیشن پر لیجائیں اور تصدیق کرائیں۔ جبتک کہ وہ بادیہ جہالت میں غلطاں رہینگے۔ اور آبادی کی طرف نہ آئیں گے اُن کو یقین نہ آئیگا۔ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ✦ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

---

[۱] تو ہی جس کو چاہے سلطنت دے تو جس سے چاہے سلطنت چھین لے یعنی سارے ملک کا بادشاہ تو ہے۔ پ ۳ ع ۱۱ [۲] خدا کے نزدیک کوئی مشکل نہیں ہے کہ تمام جہان کے اوصاف ایک شخص میں جمع کر دے ۱۲۔

(۴) وَھُمُّوْا وَاشْرَبُوْا اَنْتُمْ جُنُوْدِیْ
فَسَاقِی الْقَوْمِ بِالْوَافِیْ مَلَالِیْ

واو۔ عاطفہ۔ معطوف علیہ شعر ماقبل۔ ھُمُّوْا بصیغہ امر حاضر۔ اَلْھَمُّ مصدر قصد کرنا۔ غم کرنا۔ ہَم بمعنی غم۔ بعض اہلِ لغت یہ فرق کرتے ہیں۔ کہ غم۔ گزشتہ امر کا غم اور ھَمّ آئندہ امر کا غم۔ غالباً یہ فرق اصلی معنوں سے لیا گیا ہے۔ کیونکہ ھَمّ کے معنی قصد اور غم کے معنی ڈھانپنا ہے۔ اور ایک دوسرے کے معنوں میں بھی مستعمل ہوتے ہیں۔ قرآن شریف میں ہے۔ وَلَقَدْ ھَمَّتْ بِهٖ وَھَمَّ بِھَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْھَانَ رَبِّهٖ[۱] وَھَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ[۲] وَھَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا[۳] مہم (کار بزرگ) کا مادہ بھی ھَمّ ہے۔ وَاشْرَبُوْا۔ بصیغہ امر عطف ھُمُّوْا پر ہے۔ شُرْب۔ پینا۔ مصدر۔ جنود۔ جمع جند۔ لشکر۔ ساقی۔ پلانے والا۔ قَوْم۔ مردوں کی جماعت۔ اِنَّھُمْ یَقُوْمُوْنَ بِالْاُمُوْرِ الْمُھِمَّۃِ یا عورتوں کی جماعت۔ لیکن عام طور پر قوم کا اطلاق مردوں کی جماعت پر ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا

---

[۱] اور وہ عورت تو یوسف کے ساتھ ارادہ بد کر ہی چکی تھی اور یوسف کو اپنے پروردگار کی طرف کی دلیل اس وقت نہ سوجھ گئی ہوتی۔ تو وہ بھی اس عورت کے ساتھ ارادہ بد کر بیٹھے ہوتے۔ [۲] اور رسول کے نکالنے کا ارادہ کیا۔
[۳] اور پیغمبر کے ساتھ گستاخیاں کرنی چاہیں جنپر ان کو دسترس نہ ہوئی۔
[۴] مسلمانو! مرد مردوں پر نہ ہنسیں عجب نہیں کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ خدا کے نزدیک اُن سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں عورتوں پر ہنسیں۔ عجب نہیں کہ (جن پر ہنستی ہیں) وہ ان سے بہتر ہوں۔ پ ۲۶ ع ۱۳
[۵] کیونکہ مرد امور مشکل کے انجام کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔

مِنۡهُمۡ ۔ وَافِیۡ ۔ تمام ۔ کامل ۔ عروض میں وہ شعر جس کے ارکان سالم ہوں۔ مراد اس جگہ حالت بسط[1] ہے۔ مَلَا اصل میں مَلَأ تھا۔ ضرورت شعری سے ہمزہ کو الف پڑھا گیا ہے۔ اس جگہ بھی بعض کا اعتراض ہے کہ مَلَأ کا ہمزہ کیوں الف ہو گیا۔ چونکہ اُن کو زبان عرب پر عبور نہیں ہے۔ اس لئے ایسا کہتے ہیں۔ اس کی سند میں دو شعر پیش کرتا ہوں۔ قَالَ بَعۡضُ الۡفُصَحَا ؎

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الۡتِيَامُ ۔۔۔ وَلَا يَلۡتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ[2]

علامہ عبد اللہ عتبی اپنے فرزند ابو عمر کے مرثیہ میں کہتے ہیں

تَجَرَّا عَلَى الدَّهۡرُ لَمَّا فَقَدۡتُهُ ۔۔۔ وَلَوۡ كَانَ حَيًّا لَاجۡتَرَأۡتُ عَلَى الدَّهۡرِ[3]

يَلۡتَامُ دراصل يَلۡتَئِمُ و تَجَرَّا ۔ اصل میں تَجَرَّأَ بالہمزہ تھا ۔ مَلَانُ بوزن سکران صیغہ صفت مَلَأ" سے مشتق ہے۔ لِی لام صلہ اور یائے متکلم۔ بعض نسخوں میں بِالۡوَافِی الۡمَلَالِی آیا ہے۔ اس کے معنی موزون نہیں ہیں۔ البتہ بتکلف یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ ملال کے معنی غم و اندوہ کے لئے جائیں اور پھر غم و اندوہ سے مراد عشق لیا جائے۔ کیونکہ عشق کو اندوہ و غم لازم ہے۔ اور عارفوں کا یہی شراب ہے۔ جس طرح شراب سے انسان مخمور ہوتا ہے۔ اسی طرح عارف غم و اندوہ سے مسرور ہوتے ہیں۔ پس اسلوب کلام یہ ہو گا۔ سَاقِی الۡقَوۡمِ جَاءَ بِالۡمَلَالِ الۡوَافِی ۔ لیکن صحیح بِالۡوَافِیۡ مَلَالِیۡ ہے اور یہی مشہور ہے یعنی ساقی قوم نے میری خاطر عشق کا پیالہ بھرا ہوا ہے۔ تصوف

---

[1] بسط اور قبض ولی اللہ کی دو حالتیں ہیں بسط وہ حالت ہے جسمیں ولی اللہ کشف اسرار الٰہی میں ترقی کرتا ہو قبض وہ جسمیں اسکی ترقی رک جاتی ہے۔ [2] نیزوں کے زخم بھر جاتے ہیں۔ لیکن زبان کے زخم نہیں بھرتے۔ [3] جب میں نے اس کو گم کیا تو زمانہ نے مجھ پر حملہ کیا۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو میں زمانہ پر حملہ کرتا

میں ہمت کی یہ تعریف ہے۔ دل کا اپنے روحانی قویٰ کے ساتھ کمال حاصل کرنے کے لئے خدا پاک کی طرف متوجہ ہونا۔ شراب استعارہ ہے اسرار عرفان سے۔ اور شرب سے مراد حقایق عرفان کو دل میں متمکن کرنا ہے۔ ذوق و شراب اصطلاح تصوف میں دو حالتیں ہیں۔ ذوق حالت سالک مبتدی کی ہے اور شراب سالک منتہی کی۔ شراب اُس کو دی جاتی ہے۔ جو منزل ناسوت کو طے کر کے منزل لاہوت میں پہنچ جائے۔ جنود استعارہ ہے اولیاء اللہ سے۔ کیونکہ وہ فتح و تسخیر اور ہدایت قلوب خلق کے لئے بمنزلہ لشکر ہیں۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ وَمَا يَعۡلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ[1] ۔ ساقی سے مراد یا تو ذات باری تعالیٰ ہے۔ قرآن شریف میں وارد ہے۔ وَسَقَاهُمۡ رَبُّهُمۡ شَرَابًا طَهُورًا[2] ۔ یا حضور صلعم ہیں۔ فرقان حمید میں ہے۔ إِنَّا أَعۡطَيۡنَاكَ الۡكَوۡثَرَ[3] ۔ جب حضور صلعم مالک چشمہ کوثر ہوئے۔ تو ان معنوں میں آنحضرت صلعم ساقی ہیں۔ یا ساقی سے مراد خود حضرت غوث الاعظم قدس سرہ العزیز ہیں۔ جو اس قصیدہ میں دعوت ہدایت دے رہے ہیں۔

ترجمہ

میں نے اولیاء اللہ یا اقطاب کو کہا۔ کہ اے میرے سپاہیو بڑھو اور جام عرفان پیو۔ خداوند تعالیٰ یا رسول کریم صلعم نے میرے لئے پیالہ لبالب بھر رکھا ہے۔

تشریح ۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے محبتاً و شفقتاً اولیاء اللہ کو کہا کہ آپ ارادہ مستحکم کرو۔ کیونکہ بغیر ارادہ کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور ہر ایک عمل میں نیت کا ہونا

---

[1] اور تمہارے پروردگار کی مخلوقات کے لشکروں کا حال اسکے سوا کوئی نہیں جانتا۔ [2] اور انکا پروردگار ان کو پاکیزہ شراب پلائیگا۔ [3] اے پیغمبر ہم نے تجھ کو چشمہ کوثر عطا کیا ہے۔

ضرورۃ۔ اور پھر میرے چشمۂ عرفان سے جسقدر آپکو ضرورت ہے سیر ہو کر پیو۔ ساقی
کوثر کی بدولت میرا چشمہ ایسا لبریز ہے کہ اُس کا فیض کم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جسقدر اسکا
استعمال ہوگا اسی قدر وہ بڑھتا جائیگا۔ اور چونکہ آپ میرے ہم مشرب اور رفیق ہو۔
اور ہم سب کا مقصد ایک ہی ہے۔ اس لئے مجھ پر واجب ہے کہ میں اپنے چشمۂ فیض سے آپکو
بھی اسطرح جسطرح بادشاہ اپنے لشکر کو انعام تقسیم کرتا ہے مستفید کروں۔ چونکہ پچھلے شعر
میں وَادْخُلُوْا حَالِیْ (میری منزل میں داخل ہو جاؤ) فرمایا تھا۔ اس لئے اس شعر میں
اقطاب کو دیگر منازل طے کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا کہ ہمت کرو۔ کیونکہ حضرت کی
منزل اور دیگر اولیا کی منزل میں کئی اور مشکل گزار منازل و مقامات واقع تھے۔ جس
طرح سپاہ سالار اپنے لشکر کا دل بڑھاتا ہے۔ اسی طرح حضرت نے اُن کا دل بڑھایا
کہ ان منازل کو قطع کرکے اس منزل پر پہنچو۔ جس میں میں ہوں۔ اور میرے چشمۂ عرفان
سے فائدہ اٹھاؤ۔ اور میں اسلئے تمام روئے زمین کے اقطاب کو دعوت دیتا ہوں کہ
میرے چشمہ کا پانی کسی حالت میں کم نہیں ہو سکتا۔ مقصود حضرت کا اس سے یہ
ہے۔ کہ وہ ولایت کے اعلیٰ رتبہ پر کامل و مکمل ہیں۔ کلمہ اَنْتُمْ جُنُوْدِیْ محبت
و شفقت کے طریق پر ہے۔ یعنی تم اپنے ہو غیر نہیں۔ بعض نسخوں میں ہِیْمُوْا ہے۔
ہیم۔ ہیمان مصدر ہے سرگشتہ و شیفتہ ہونا۔ اور اگر ہِیْمُوْا کا معنی
سرگشتگی اور غم اور ملال سے مراد اندوہ لی جائے۔ تو مفہوم شعر یہ ہوگا۔
اے میرے مریدو! اندوہگین و شیفتہ ہو کر شراب پیو۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے تمہارے لئے غم و اندوہ یا شیفتگی کا پیالہ بھر رکھا ہے۔



(۵) شَرِبْتُمْ فُضْلَتِیْ مِنْ بَعْدِ سُکْرِیْ
وَلَا نِلْتُمْ عُلُوِّیْ وَاتِّصَالِیْ

شَرِبْتُمْ۔ فعل ماضی معلوم۔ شُرب پینا۔ مراد اس سے استفادہ ہے۔ عرفان
اسرار الوہیت کو شراب سے تشبیہ دی گئی ہے۔ فُضْلَتِیْ فضلہ۔ پس خوردہ۔ جھوٹا۔
یائے متکلم۔ سُکْرِیْ سُکر مضاف یائے متکلم کی طرف بمعنی مستی۔ بیہوشی نِلْتُمْ
صیغہ ماضی بوزن خِفْتُمْ۔ نَیْل مصدر پانا۔ حاصل کرنا عُلُوّ بلند قدر ہونا
بلندی۔ مراد اس سے اعلیٰ درجہ عرفان کا ہے۔ عارف ترقی کرتا کرتا درجہ لاہوت
تک پہنچ جاتا ہے اس منزل کا نام علو ہے۔ اِتِّصَالِیْ یائے متکلم۔ اتصال بمعنا
ضد انفصال اصطلاح میں ایک خاص امتیاز ہے جو اہل اللہ کو بارگاہ صمدیت
سے عطا ہوتا ہے۔

ترجمہ

میری جھوٹی شراب (جو میرے مست ہونے کے بعد بچ رہی تھی) آپنے پی لیکن
میرے عروج اور قرب کو (جو مجھے بارگاہ الٰہی میں حاصل ہے) نہ پا سکے۔

تشریح۔ قاعدہ ہے کہ مرشد و استاد اس خیال سے (کہ مرید و شاگرد کی طبیعت
میں عرفان و نکات علمی کی استعداد پیدا ہو۔ اور اس کی کند ذہنی و غباوت
دور ہو) اپنا جھوٹا پانی پلاتے ہیں۔ اور نیز بموجب سُؤْرُ الْمُؤْمِنِ شِفَاءٌ [۵]۔
آنحضرت فرماتے ہیں کہ باوجودیکہ میں نے آپ کو اپنا جھوٹا پلایا۔ لیکن آپ میرے
مرتبہ تک نہ پہنچ سکے۔ ہمیشہ میری یہی خواہش رہی کہ آپ میرے مرتبہ خداداد تک

[۵] مومن کا جھوٹا شفا ہے۔

پہنچ جاؤ۔ اسی واسطے میں نے آپ سے بقیہ شراب عرفان سے دریغ نہیں کیا۔ کیونکہ جس پیالہ سے میں مست ہوا ہوں اسی پیالہ کا ایک حصہ آپ کو دیا۔ اور چاہیئے تھا۔ کہ اس کی تاثیر یکساں ہو۔ لیکن آپ مرتبہ مقصود کو حاصل نہ کرسکے جس کے چند وجوہ ہیں یا تو ریاضت شاقہ جیسا کہ چاہیئے تھی آپ نے نہیں کی یا اتباع حقیقی کی پورے طور پر پابندی نہیں کی یا آپ نے کما حقہٗ ترتیب اوراد و وظائف کو ملحوظ نہیں رکھا۔ پس چاہیئے کہ ان نقائص کو دور کرو۔ جو آپ کو میری منزل تک پہنچنے میں هارج ہیں۔ جیسا کہ باپ اور اُستاد چاہتا ہے کہ اس کا بیٹا اور شاگرد اس کے رتبہ تک پہنچے۔ میرا دل بھی چاہتا ہے کہ آپ میرا مرتبہ حاصل کریں۔ یہ شعر بالکل یہی معنی رکھتا ہے۔ جس طرح اُستاد شاگردوں سے کہتا ہے۔ کہ میں نے باوجودیکہ آپ کو معقولات کی پوری پوری تعلیم دی لیکن آپ کا ذہن رسا نہ ہوا۔ ایسے کہنے سے مدعا تحریص اور ترغیب ہوتی ہے۔ نہ کہ اپنی تعریف۔ یا اس شعر کے یہ معنی ہیں۔ کہ فی الحقیقت میرا رتبہ و مقام برتر اور مخصوص ہے۔ آپ یہ خیال نہ کریں کہ میں نے کوئی راز آپ سے پوشیدہ رکھا ہے۔ یا تعلیم میں دریغ کیا ہے۔ بلکہ سنت اللہ اور فطرت الٰہی اسی کی مقتضی ہے۔ کہ بعض مراتب بعض کے لئے مخصوص کئے جائیں ؎

باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست ۔ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

ایک ہی جماعت کے طالب علموں کی طبیعت اور معلومات میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ایک کو قدرتاً ایسا ملکہ ہوتا ہے۔ کہ دوسرے اسکو حاصل نہیں کرسکتے۔ اگرچہ علوم کی تعلیم سب مل کر پاتے ہیں۔ مگر بعض بعض سے

بڑھ جاتے ہیں۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ[ؕ] یا شعر آئندہ اور اس شعر میں اشارہ ہے کہ عالم لاہوت میں کوئی ایسا درجہ نہیں جس کو ہم منتہی کہ سکیں آپ میری متابعت کرتے جاؤ۔ اور میرا جھوٹا پئے جاؤ۔ منازلِ عرفان میں بڑھتے جاؤ گے۔ اور کبھی ایسا نہ ہوگا۔ کہ وہ ترقی کسی حد تک پہنچ کر بند ہو جائے۔ اور مجھے یہ کہنا پڑے کہ بس میں اس سے زیادہ تعلیم نہیں دے سکتا۔ یعنی بحرِ عرفان میں جس قدر آپ ترقی کرتے جاؤ گے میری کشتی معرفت کو سب سے آگے پاؤ گے اور یہ سب سے اعلیٰ نعمت ہے کہ آدمی کے لئے امیدوں اور ترقیوں کا میدان ایسا وسیع ہو کہ کوئی انتہائی حد نہ ہو۔ جہاں انتہا ہوگی وہاں مایوسی ہوگی۔ مقصود یہ ہے کہ جس قدر آپ بڑھو گے اُسی قدر میں بڑھتا جاؤں گا۔ جس قدر شاگرد علوم میں مہارت پیدا کرتا ہے اسی قدر نسبتاً اُس اُستاد کی استعداد بڑھتی جاتی ہے۔ جو اپنے مطالعہ کو جاری رکھتا ہے۔ اس سے ایک قسم کی تحریص و ترغیب ہے کہ بڑھے چلو۔ ترقی کا میدان وسیع ہے اور مرشد کا عرفان دریائے ناپیدا کنار ہے۔ کلام اللہ شریف میں آیا ہے كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ[ۚ] جس کی مثال اس کی یہ ہے کہ جس قدر کسی نہر کو فراخ کرتے جاؤ اسی قدر اُس میں پانی زیادہ ہوتا جائے گا۔ سوت والے کنوئیں کا پانی کبھی ختم نہیں ہوتا۔ خواہ کتنا ہی پانی نکالا جائے۔ اور اس شعر میں فُضْلَتِيْ مِنْ بَعْدِ سُكْرِيْ کی قید اس لئے لگائی ہے۔ کہ جام حقیقت

---

[۱] اور اللہ بڑی گنجائش والا ہے اور سب کچھ جانتا ہے جسکو چاہے اپنی رحمت کے لئے خاص کرتا ہے۔ اور خداوند تعالیٰ صاحب فضل عظیم کا ہے پ ۳ ع ۸ [۲] ہر روز ایک نئے کام میں رہتا ہے وہ معطل اور بیکار نہیں پ ۲۷ سورۂ رحمٰن

ابھی ختم نہیں ہوتا یعنی قبل اس کے کہ میں تمام پیالہ پی لوں پہلے ہی مست ہوگیا اور اسی طرح ہر ایک عارف کا حال ہے کہ اس کو پی کر مست ہو جائیگا۔ اور پھر بھی بچ رہے گا۔ اس شعر میں یہ بھی اشارہ ہے کہ باوجودیکہ شراب حقیقت کی خاصیت یکساں ہے۔ لیکن طبیعتوں پر اس کا اثر الگ الگ پڑتا ہے۔ اس لئے بمقابلہ ان لوگوں کے جو ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں ہمت ہارنی نہ چاہیئے۔ یا ان اشعار میں اُن لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے۔ جو اپنی ریاضت اور عبادت پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور عجب وغرور کی مہلک بیماری میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

امام محمد غزالی رحہ نے لکھا ہے کہ سالک کو بعض وقت جب وہ اپنے کمالات کا تصور کرتا ہے۔ ایک مہلک بیماری عجب کی لاحق ہو جاتی ہے۔ عارف پہاڑ یا جنگل میں جا کر عزلت گزیں ہو تو بھی اس بیماری سے امین نہیں رہ سکتا مثنوی شیخ بو علی قلندر میں ایک حکایت اسی ضمن کی ہے ؎

بود مردے عارف صاحب کمال — کوشۂ دل بستہ از وہم و خیال
پارسائی کردہ در اقلیم دل — بود او از نام غفلت منفعل
سالہا کردہ عبادت بے ریا — در روش بگزشتہ جز ذکر خدا
چوں چنیں بگذشت او را چند سال — خویش را بر لامکاں کردہ خیال
گفت مثلم نیست کامل در جہاں — چوں عیسٰی گشتیم بر دل پاسباں
شہوت و حرص و ہوا کردیم دُور — از تعلق ہا دلم دارد نفور
ایں تصور کرد چوں مردِ خدا — ناگہاں در گوش او آمد ندا
از تکبر چوں نظر کردی بخویش — دور افتادی حجاب آمد بہ پیش

تا نہ گردد رفع از تو پردہ — کے نہی پا در حریم کبریا
منفعل شد شیخ از اسرار خویش — شد پشیماں توبہ کرد از کار خویش
باز بستہ عہد تازہ از خدا — تا کند در راہ حق خود را فدا

اس کی اور بھی ہزاروں مثالیں ہیں۔ منجملہ اُن کے شیخ صنعان رحہ کا قصہ مشہور ہے۔ اور شیطان کے غرور کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔

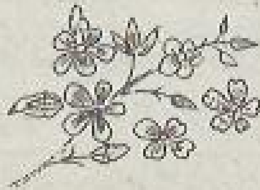
أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ۝[1]

آپ اُن مریدوں یا عارفوں کو تنبیہ کرتے ہیں۔ جن کو مرض غرور میں مبتلا دیکھتے ہیں۔ اور سمجھاتے ہیں کہ ابھی آپ ابتدائی منازل میں ہو یا اُن کو بتلاتے ہیں کہ آپ کے رتبہ سے ابھی کئی منازل بالاتر ہیں۔ آپ میری متابعت کرکے میری ہدایات پر عمل کریں۔ کیا آپ میرا تھوڑا سا جھوٹا پی کر یہ سمجھتے ہو کہ مدارج عرفان کو طے کر چکے ہیں۔ آپ کو میری محفل میں آکر اسرار عرفان کا سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ اس وقت آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ میرا رتبہ کیا ہے۔ اور آپ کا رتبہ کیا۔ پس اس صورت میں یہ تنبیہ ہے۔ نہ ستائش۔

---

[1] میں انسان سے بہتر ہوں۔ مجھکو تو نے آگ سے بنایا۔ اور اس کو تو نے مٹی سے بنایا۔

پ ۲۳ ع ۱۳



مُقَامُکُمُ الْعُلٰی جَمْعًا وَّلٰکِنْ
مُقَامِیْ فَوْقَکُمْ مَا زَالَ عَالِیْ

مُقَام۔ بضم و بالفتح۔ موضع۔ مقام۔ قرآن میں ہے لَا مُقَامَ لَکُمْ + حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا۔ مراد اس جگہ مرتبہ سلوک و قرب الی اللہ ہے۔ مُقَامُکُمُ الْعُلٰی۔ مُقَامُکُمْ مبتدا اَلْعُلٰی بضم العین مصدر۔ بلندی خبر مبتدا۔ دراصل ذُوْعُلٰی تھا۔ حمل بواسطہ ذو ہے یا اَلْعُلٰی بمعنی العالی بذریعہ حمل اشتقاق خبر مبتدا ہے۔ اور خبر کا معرف باللام ہونا بصورت جو حصر کے لئے آتا ہے جیسا زید المنطلق وذٰلک الخسران المبین۔ یا حمل مصدر کا مبالغۃً ہے۔ اس ترکیب سے دوسری تاویلات بعیدہ کی ضرورت نہ رہی۔ اور معنی بھی صاف ہو گئے۔ مَا زَالَ عَالِیْ اصل میں مَا زَالَ عَالِیًا تھا ضرورت شعری کے لئے عَالِیْ مجرور پڑھا گیا ہے۔ اور یہ جائز ہے۔ ایک فصیح زباں۔ احمد بن ابی القاسم اپنے ممدوح ملک مسعود کی تعریف میں کہتا ہے (دیکھو مجانی الادب۔ باب المحامد والمدیح)

اِنْ کَانَ عَالٍ فِی الْخِلَافَۃِ قَدْرُہٗ[1]   فَاَبُوْہُ مِنْہَا فِیْ مَحَلٍّ عَالٍ

اس شعر میں خبر کَانَ مقدم ہے۔ اور قَدْرُہٗ اس کا اسم ہے۔ اصل میں اِنْ کَانَ قَدْرُہٗ عَالِیًا فِی الْخِلَافَۃِ تھا۔ لیکن عَالٍ پڑھا گیا اسی طرح مَا زَالَ عَالِیْ ہے۔

---

[1] اگر ممدوح کا مرتبہ خلافت میں بلند ہے تو عجب نہیں، کیونکہ اس کے باپ کا مرتبہ خلافت بھی بلند تھا۔ یعنی اباو اجداد سے بادشاہ چلے آتے ہیں ۱۲

ترجمہ

اے اقطاب! آپ کا مقام بحیثیت مجموعی گو بلند ہے۔ مگر میرا مرتبہ و مقام آپ سے ہمیشہ بلند تر ہے۔ یا اے اقطاب آپ کے منازل بیشک رفیع و بالا ہیں۔ لیکن میرا مقام آپ سے ہمیشہ بالاتر رہیگا۔

تشریح اس شعر میں چند اشارات ہیں۔ اے اقطاب! آپ اپنے زعم میں اپنے آپ کو کامل سمجھ کر یہ خیال کرتے ہیں کہ ایسے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں کہ اس کے اوپر کوئی درجہ نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں۔ قرب کے مدارج بے انتہا ہیں۔ ان مراتب کو تمامہا کوئی طے نہیں کر سکتا۔ آپ سب کے سب میرے مدارج سے بہت نیچے ہو۔ آپ کو میری تقلید کرنی چاہیئے تاکہ ترقی کر سکو۔ اور اس طرح ترقی کرنے پر بھی آپ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ میں بھی برابر ترقی کرتا جاؤں گا۔

پس جو فرق میرے اور آپ میں ہے۔ وہ بدستور رہیگا۔ محسوسات میں اس کی یہ مثال ہے کہ ایک شخص جو شمع روشن تک پہنچنا چاہتا ہے۔ اور وہ ایسے شخص کے ہاتھ میں ہے۔ جو جلدی جلدی جا رہا ہے۔ اور تعاقب کرنیوالے کی رفتار دھیمی ہے۔ ایسی صورت میں وہ شمع تک نہیں پہنچ سکتا۔

اس شعر میں اقطاب کے لئے تحریص ترقی مدارج ہے۔ اور اس امر کی اطلاع دینا مقصود ہے۔ کہ حضرت قدس اللہ سرہٗ ان کو فیضان پہنچا سکتے ہیں۔ اگر اقطاب موجود مدارج کو انتہائی مدارج سمجھیں تو ان کو اس امر کا اظہار نہ کرنا چاہیئے۔ ورنہ منصور کی طرح انا الحق کہنے سے اہل

شریعت کے نزدیک موردِ اعتراض ہونگے۔ کجا وہ اور کجا ذاتِ باری عزّ اسمہٗ۔ منصور جب اس رتبہ پر پہنچا تو یہ سمجھا کہ شیشہ اور روشنی ایک ہی ہے۔ مگر یہ بات نہ تھی۔ اور ایسا خیال خلافِ حقیقت تھا چونکہ اَنَا الْحَقّ کہنا شریعت کے خلاف تھا۔ اس لئے منصور مستوجب سزا ہوا۔

بایزید بسطامیؒ نے سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ[1] کہا۔ اور خیال کیا۔ کہ وہ اور ذاتِ الٰہی ایک ہیں۔ لیکن جب ایک اور منزل طے کرلی۔ تو معلوم ہوا کہ

ع خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

پھر کہا۔ فَاِنْ قُلْتُ یَوْمًا سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ فَاقْطَعْ زُنَّارِیْ بِقَوْلِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ[2]۔ لیکن منصور بوجہ غلبہ سُکر ہوش میں نہ آیا۔ اور اپنے قول پر مصر رہا۔ حیٰوۃ الحیوان میں علامہ دمیری شیخ محی الملۃ والدین سید عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ سے نقل کرتے ہیں کہ شیخ ممدوح فرماتے تھے کہ منصور ایک مقام میں آکر پھنس گیا۔ اور یہ کلمہ منہ سے نکال بیٹھا۔ اگر میں اس کے زمانہ میں ہوتا۔ تو اس کی دستگیری کرتا۔ اور اس منزل سے اس کو نکال لیتا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

ولی اللہ پر دو حالتیں وارد ہوتی ہیں۔ ایک تجلی ذاتی۔ دوسری تجلی صفاتی تجلّیِ ذاتی سے ولی اللہ حقائق کو اپنی اصلیت پر دیکھتا ہے۔ اور بہکتا نہیں اور تجلی صفاتی میں اس قسم کے کلمات کہتا ہے۔ جو بظاہر شریعت کے مخالف ہوتے ہیں

[1] میری ذات پاک ہے۔ میری شان بہت بڑی ہو۔ [2] اگر میں نے دعویٰ کر، ایک دن سبحانی ما اعظم شانی کہا ہے۔ تو میں اپنا زنار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہہ کر توڑتا ہوں۔

اسی وجہ سے ایسے کلمات کے قائل کو اہل شریعت زندیق اور ملحد قرار دے کر سزا دیتے ہیں۔ اُس کے کلام کی کوئی تاویل نہیں ہوتی۔

لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ جو کچھ ولی اللہ سکر کی حالت میں کہتے ہیں۔ اس سے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ طبعًا خدا اور رسول کے متبع احکامِ الٰہی کو مانتے اور شریعت کے پابند ہوتے ہیں۔ ایک خاص حالت کی وجہ سے ایسے کلمات اُن کی زبان سے نکل جاتے ہیں۔ صحیح مفہوم امتیازی اُن کا اس مثال سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ منصور و فرعون دونوں نے دعوائے خدائی کیا۔ منصور معتقد شریعت۔ تابع اوامر و نواہی اور کتابِ الٰہی کو صادق ماننے والا تھا۔ فرعون نہ قائلِ خدا تھا۔ نہ مطیع احکامِ شریعت۔ اس لئے منصور کا قول حقیقت میں کفر نہیں۔ اور فرعون کا قول کفر ہے۔ ولی اللہ سے اس قسم کے امور کا ظہور جو بظاہر شرع کے بالکل مخالف ہوں کثرت سے مروی ہے چنانچہ شیخ احمد سرہندی کا یہ قول مشہور ہے۔ اِنِّیْ وَصَلْتُ اِلَی اللّٰہِ مِنْ غَیْرِ وَسِیْلَۃِ مُحَمَّدٍ ﷺ[1]۔ جس سے زمین و آسمان کانپتے ہیں۔ پس ایسے کلمات بوجہ معذوری صادر ہوتے ہیں۔ جبکہ یہ حالت غلبہ سُکر تیز جاتی رہتی ہے۔ کیونکہ کسی شخص کا بلا توسل حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خدا کی درگاہ تک پہنچنا تو درکنار وہاں کی ہوا بھی نہیں پا سکتا۔ صوفیا علیہم الرحمۃ کا ھَا اَنْتَ وَ رَبُّکَ[2] کہنا متضمن انکار توسل خاتم النبیینؐ نہیں۔ بلکہ غرض اُن کی ایسے اقوال سے یہ ہے کہ مقصود بالذات ذات باری عزّ اسمہٗ ہے

[1] میں اللہ تعالیٰ سے محمد علیہ السلام کے وسیلہ کے بغیر واصل ہوا۔ [2] ہاں تو اور تیرا رب۔

اور اس اظہار مقصود سے توسل کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اس کی توضیح اس مثال سے ہوتی ہے کہ جس شخص کا مقصود بالذات بادشاہ کی ملاقات ہو۔ (جس کا ذریعہ امراء۔ وزراء ہوتے ہیں) اُس کو اس مقصود کے حصول میں وزراء کی وساطت سے انکار نہیں ہوتا۔ مَاذَانَ عَالِیْ سے یہ ثابت کیا ہے۔ کہ ولی اللہ برابر ترقی کرتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ قبر میں بھی۔ چنانچہ کئی ایک قبر والوں سے کلام اللہ کے پڑھنے کی آواز آئی۔ تحقیقات سے معلوم ہوا۔ کہ وہاں چند ایک اصحابی مدفون تھے۔ قبور میں قرآن مجید کا پڑھنا بہ تواتر ثابت ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام حافظ سیوطی نے شرح الصدور میں مفصل لکھا ہے۔ ولی اللہ کا قبر میں ایسے مدارج سے مسرور اور اپنی کامیابی پر خوش ہونا بھی ایک قسم کی ترقی ہے۔ کیونکہ یہ بمنزلہ شکر ہے۔ اور شکر باعث مزید نعمت ہے۔ اہل قبور کی ترقی کی روایات بکثرت مروی و منقول ہیں کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے دنیا میں کلام اللہ کو ختم نہیں کیا تھا۔ اُن کو فرشتے قبر میں تعلیم دیتے ہیں۔ اولیا کا رتبہ کم و بیش اسی طرح ہوتا ہے جس طرح انبیاء کا۔ کیونکہ اولیاء اللہ انبیاء اللہ کے ظل ہیں۔ اس لئے جو خصوصیت اصل میں ہوتی ہے وہی فرع میں پائی جاتی ہے کلام اللہ میں ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ[1] اور ظاہر مثال اس کی یہ ہے کہ جو چیز شمع کے قریب تر ہو۔ وہ اُس چیز سے زیادہ روشن ہوگی جو کسی قدر دور ہو۔ علیٰ ہذا جس قدر فرق قرب و بعد کا ہے۔ اسی قدر تنویر میں تفاوت ہوگا۔ اور اس کا مفہوم ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ[2]

[1] ان رسولوں میں سے ہم نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ [2] اللہ ہی ہے جو روشنی آسمانوں

وَالْاَرْضِ[1] وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا[2] جس طرح آفتاب کی روشنی اپنا اثر اشیاء پر باعتبار اُن کی حالت قرب و بعد کے ڈالتی ہے۔ اسی طرح خدا کے نور اور اولیاء اللہ کی مثال ہے۔ لیکن نظر چاہئے جو اس نور کو دیکھے۔ اور عقل چاہئے جو اس بات کو سمجھے۔ جو لوگ اس سے نابلد ہیں۔ وہ کیا جانیں۔ اندھے کو آفتاب کی روشنی اور گلزار کی شگفتگی اور فصل گل کی کیا خبر۔

قرآن شریف میں حضرت خضر و موسیٰؑ کا واقعہ مذکور ہے جس سے ثابت ہے کہ اولوالعزم انبیاء کے علم میں بھی حیرت افزا فرق ہوتا ہے۔ خدا کے حکم سے حضرت موسیٰ حضرت خضرؑ کی خدمت میں علم لدُنی کی تحصیل کے لئے حاضر ہوئے خضرؑ نے فرمایا کہ میں اس شرط پر آپ کو اپنے ساتھ رکھ سکتا ہوں کہ میرے کسی فعل پر آپ کو سوال کرنے کا حق نہ ہوگا۔ موسیٰؑ نے منظور کیا۔ راستہ میں دریا تھا۔ دریا کو عبور کرنے کے بعد خضرؑ نے کشتی کا ایک تختہ نکال دیا۔ اور ایک لڑکے کو قتل کیا۔ اور ایک گاؤں میں جس کے باشندوں نے ان کو روٹی دینے سے انکار کیا تھا۔ ایک گرنے والی دیوار کی بلا اجرت مرمت کر دی۔ موسیٰؑ سے رہا نہ گیا۔ انہوں نے ہر ایک کام کی نسبت اعتراض کیا۔

خضرؑ نے تینوں امر کا سبب بتا کر موسیٰؑ کو الگ کیا۔ اور فرمایا کہ یہ سب کچھ خدا کے حکم کو عمل میں آیا ہے۔ ظالم بادشاہ کا حکم تھا۔ کہ کارآمد کشتیوں کو بیگار پکڑو۔ اس لئے کشتی نکمی کر دی گئی۔ کہ وہ بیگار سے محفوظ رہے۔ لڑکا بڑا ہو کر شریر کافر ہوتا۔ اور اپنے مومن والدین کو تکلیف دیتا۔ دیوار کے نیچے دو یتیم بچوں کا خزانہ تھا۔ اگر دیوار گر پڑتی۔ تو خزانہ رائیگاں جاتا۔ مرمت دیوار سے محفوظ ہو گیا۔

[1] اور زمین کی۔ [2] زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی پ ۲۴۔ ع ۴

(۷)

اَنَا فِیْ حَضْرَۃِ التَّقْرِیْبِ وَحْدِیْ
یُصَرِّفُنِیْ وَحَسْبِیْ ذُوالْجَلَالِ

اَنَا۔ ضمیر متکلم۔ بعض اعتراض کرتے ہیں کہ انا کا اشباع کیوں ہوا؟ اس کے جواب میں شیخ کامل ادیب علامہ عمر بن الوردی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے۔

کُلُّ اَھْلِ الْعَصْرِ غَمْرٌ وَاَنَا ۔۔۔ مِنْھُمْ فَاتْرُكْ تَفَاصِیْلَ الْجُمَلْ

اس شعر میں بوجہ ضرورت شعری اَنَا اشباع سے پڑھا گیا۔ حَضْرَۃ۔ درگاہ۔ اَلتَّقْرِیْب۔ نزدیک کرنا۔ قرب کے حصول کی کوشش کرنا۔ وحد۔ مصدر۔ یگانگی۔ اکیلا ہونا۔ تصریف۔ ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل کرنا۔ بیان کرنا۔ ظاہر کرنا۔ جیسا کہ اس آیت شریف میں ہے۔ اُنْظُرْ کَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ[1]۔ حَسْبِیْ۔ مجھے کافی ہے۔ جلال۔ بزرگی۔ ذُوالْجَلَالِ۔ خدائے تعالیٰ۔ التقریب میں الف۔ لام۔ عہد ذہنی کا ہے یا عہد خارجی کا۔ معہود مرتبہ غوثیہ۔ اس مرتبہ کے مدارج لا متناہی ہیں۔ جس قدر مدارج طے کئے جائیں۔ کشف میں ازدیادی ہوتی ہے آیت ذیل میں ان مدارج کی طرف اشارہ ہے۔ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰی یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ[2] اور ان مدارج کی وسعت کا ثبوت وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا[3] سے ملتا ہے۔ یُصَرِّفُنِیْ وَحَسْبِیْ ذُوالْجَلَالِ سے

[1] میرے ہمعصر سب ناز سرور کا ہیں۔ اور میں بھی ان میں سے ہوں۔ اس اجمال کی تفصیل مزید چاہو تو دیکھو کیونکر ہم اپنی قدرت کی دلیلیں طرح طرح بیان کرتے ہیں پ ۷ ع ۱۵ [2] اور اپنے پروردگار کی عبادت میں لگے رہو یہاں تک کہ تم کو یقینی (موت) چیز آ جائے پ ۱۴ ع ۶ [3] اور جن لوگوں نے ہمارے دین کے کام میں کوشش کی ہم بھی ان کو ضرور اپنے راستے دکھا دیں گے پ ۲۱ ع ۲

یہ مراد ہے کہ ہمارے تصرفات کو نیز از قبیل (وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی) کے ہیں اور یہ تصرفات الٰہی ہیں۔ اور میں مامور بالتصرف ہوں۔ اور یہ بھی اشارہ ہے کہ ان مدارج پر فائز ہونا جذب سے ہوتا ہے۔ نہ کسب سے۔

ترجمہ

میں بارگاہ قرب الٰہی میں باعتبار شان عزت یکتا ہوں۔ خدا تعالیٰ مجھے ایک درجے سے دوسرے درجہ پر ترقی دیتا ہے۔ اور خدائے ذوالجلال مشکلات میں میرے لئے کافی ہے۔ (میں غیر کا محتاج نہیں)

تشریح۔ یہ شعر۔ مَقَامِیْ فَوْقَکُمْ مَا زَالَ عَالِیْ کی دلیل ہے کہ جس طرح خاتم الرسل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بوجہ علو اخلاق تمام رسل علیہم السلام کے مقامات سے برتر ہے ایسا ہی خاتم الولایت کا مقام بہ نسبت مقامات دیگر اولیا کے برتر ہے چنانچہ حضرت فرماتے ہیں کہ میرا رتبہ کیوں ہمیشہ بلند نہ ہو جب کہ تقرب الٰہی کی منزل میں فرد ہوں اور میرا کوئی ہمسر نہیں جو یہ رتبہ حاصل کر سکے اور ذوالجلال مجھے اپنی تعلیم و فیضان سے حائزۃ فائزۃ ترقی دیتا ہے۔ تقریب کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ میں لوگوں کو خدا کے قریب کرنے اور راہ ہدایت پر لانے میں خاص ملکہ رکھتا ہوں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ[1]۔ تعلیم و ہدایت خلق میں توفیق الٰہی میرے لئے کافی ہے۔ اس کی عنایت سے میری تلقین اور تعلیم لوگوں کے دلوں پر خاص اثر پیدا کرتی ہے۔ پس میری احباب۔ اقطاب۔ مرید یہ نہ سمجھیں کہ وہ مراتب موجودہ سے ترقی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے مجھے ہدایت و تلقین کا خاص رتبہ عطا فرمایا ہے۔ میرے مرید اگر استفادہ کے لئے حاضر ہوں تو میں ان کو اعلیٰ مراتب پر

[1] یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

پہنچا سکتا ہوں۔ ہر دو معنی میں حضرت کا کمال ہے۔ پس یہ اشعار بطور شکر نعمت الٰہی ہیں یا بطور دعوت عامہ کہ اولیاء زمان آپ سے استفادہ کریں۔ اور موجودہ رتبہ پر قانع نہ ہوں۔ یا موجودہ رتبہ کو اعلیٰ خیال کر کے غرور و فخر کے گڑھے میں نہ گر پڑیں۔ اصطلاح صوفیا میں حضور کی دو قسمیں ہیں ایک شہود (جس میں قرب خدا کے ساتھ موجودات کے خیال کی جھلک باقی رہتی ہے)۔ یعنی دائرۂ وحدت میں ایک وہمی خط پایا جاتا ہے جیسا کہ اس دائرہ میں دکھایا گیا ہے۔



دوسری تقریب وحدت جو اس شعر میں بیان ہوئی۔ یہ خاص قرب ہے۔ جس میں غیر اللہ کے تصور کا خط بالکل محو ہو جاتا ہے۔ اور محض تقریب ہی تقریب رہ جاتی ہے۔ دیکھو اس دائرہ میں کوئی خط نہیں ہے۔

اس کو ایک اور مثال سے واضح کیا جاتا ہے۔ کہ جب ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو آنکھ کر ایک خط شعاع نکل کر اس چیز تک منتہی ہو جاتا ہے جیسا کہ گلدستہ کی تصویر کو مع اس کے نقش و نگار کے دیکھتے ہیں تو خط وہمی یعنی نقوش کا تصور باقی رہتا ہے۔ اگر ہم نقوش سے قطع نظر کر کے تصویر کی ماہیت کا مطالعہ کرتے ہیں تو نقش و نگار کا تصور بھی محو ہو جاتا ہے۔ اس سے محویت کی مثال ذہن نشین ہو سکتی ہے۔ چونکہ حضرت قدس سرہٗ سلطان الاولیا ہیں جس طرح کہ عادۃً کوئی سپاہی خواہ کتنی ہی خدمات انجام دے کر شاہی عنایات سے اعلیٰ سے اعلیٰ منصب تک پہنچ جائے تاہم بادشاہ کا ہمسر نہیں ہو سکتا کیونکہ مالک اور مملوک میں جو نسبت ہے وہ برابر قائم رہتی ہے۔ اسی طرح کوئی ولی اللہ آپکے رتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور یہی قدرۃ اللہ ہے کہ ایک وقت میں خدا تعالیٰ دینی یا دنیوی علم میں ایک شخص کو خاص قوت و ملکہ عطا فرماتا ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہوتا۔ شریعت میں اسکو مجدد اور معرفت میں غوث کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے

يَبْعَثُ اللّٰهُ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةٍ يَكُوْنُ مُجَدِّدًا لِدِيْنِهٖ[1]۔ کلام اللہ میں موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا قصہ مذکور ہے۔ ذوالجلال میں ایک یہ نکتہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں جلال و جمال جب صفت جلال کا ظہور کسی شخص کے دل پر ہوتا ہے تو اس کی موجودہ ہستی محو کر کے اس کو ایک خاص ہستی دی جاتی ہے جس کی مثال اس حدیث میں مذکور ہے۔ مَا يَزَالُ[2] عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أَحْبَبْتُهٗ فَإِذَا أَحْبَبْتُهٗ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا۔ اس خیال سے گویا حضرت قدس سرہ العزیز كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهٗ[3] کے مرتبہ میں ہیں یعنی ان کی کوئی ہستی نہیں ہے۔ نہ ان کا کوئی اختیار ہے۔ نہ ان کا کوئی ذاتی فعل ہے نہ عمل۔ یہ کمال خاکساری ہے۔

اولیاء اللہ کے تین منازل ہیں۔ ادراک[1]۔ حضرت[2]۔ مقام[3]۔ نیچے کی منزل میں رہنے والوں کو بالائی منازل کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ مگر بالائی منازل کے رہنے والے منزل زیرین کے رہنے والوں کو جانتے ہیں۔ کیونکہ بالاترین منزل پر وہی پہنچتا ہے۔ جو منازل زیرین کو طے کرتا ہے۔ اس کو جسمانی مثال میں یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ جو شخص ابتدائی عہدہ سے ترقی پاتا پاتا اعلیٰ منصب پر پہنچتا ہے۔ وہ ہر ایک عہدہ کے جزو کل فرائض پر پورا حاوی ہوتا ہے

[1] ہر سو سال کے شروع پر ایک مجدد دین پیدا ہوتا ہے۔ [2] ہمیشہ میرا بندہ نوافل سے قرب بڑھاتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں۔ اور جب میرا محبوب ہو جاتا ہے۔ تو میں اس کے کان۔ اس کی آنکھیں اور اس کا ہاتھ اور پاؤں ہو جاتا ہوں کہ میرے باعث سنتا ہے میرے باعث دیکھتا ہے میرے باعث پکڑتا ہے۔ اور میرے باعث چلتا ہے۔ [3] ہر ایک چیز بجز ذات باری تعالیٰ فانی ہے۔

بخلاف اس شخص کے جو براہِ راست اعلیٰ منصب پر فائز کیا جاتا ہے۔ ایسے مدارج کی نسبت بعض مشائخ نے روایت کی ہو کہ ایک دن شیخ عبدالرحمٰن طفسونجی رحمۃ اللہ علیہ منبر پر آئے اور فرمایا۔ اَنَا مِنَ الْاَوْلِیَاءِ کَالْکُرْکِیِّ بَیْنَ الطُّیُوْرِ اَطْوَلُھُنَّ عُنُقًا۔ [1] اس مجلس میں شیخ ابن احمد علیہ الرحمۃ (جو شیخ عبدالقادر قدس سرہٗ کے مرید ہیں) موجود تھے ان کا یہ دعویٰ سن کر کھڑے ہوئے۔ اور اپنی گدڑی پھینک دی۔ اور حضرت شیخ کی خدمت میں فَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ کا دعویٰ کیا۔ حضرت عبدالرحمٰن خاموش ہو گئے اور اپنے مریدوں کو کہا کہ میں ان کا بال بال فیضان و عنایات الٰہی سے پُر دیکھتا ہوں۔ ان کی خدمت میں عرض کریں کہ گدڑی کو اوڑھ لیں حضرت شیخ احمدؒ نے کہا کہ ہم وہ ثابت قدم ہیں کہ جس چیز کو پھینکا پھر نہیں اٹھایا حضرت عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ آپ کس کے مرید ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز کے۔ شیخ عبدالرحمٰن نے کہا کہ چالیس سال سے میں مقام درکات میں رہتا ہوں۔ میں نے تو شیخ عبدالقادر جیلانی کا نام نہیں سنا حضرت شیخ قدس اللہ سرہ العزیز پر اس واقعہ کا انکشاف ہوا۔ اور چند مریدوں کو روانہ کیا۔ کہ وہ حضرت کی طرف سے حضرت عبدالرحمٰنؒ کو السلام علیکم کہیں اور یہ پیغام دیں کہ بیشک آپ مجھ کو نہ جانتے ہونگے کیونکہ میرا مقام آپ کے مقام سے بالاتر ہے جس کو درکات کے رہنے والے نہیں جانتے۔ مگر میں آپ کو جانتا ہوں۔ درکات میں بارہ ہزار اولیاء کے روبرو جو خلعت ولایت آپ کو پہنایا گیا تھا۔ وہ میں ہی لایا تھا۔ اور حضرت قدس سرہٗ نے اس خلعت کے رنگ اور نقش و نگار کا نشان بھی دیا۔ اور بتلایا۔ کہ وہ خلعت سبز تھا۔ اور اس پر

[1] میں اولیاء میں اس طرح ہوں جس طرح کلنگ لمبی گردن کے پرندوں میں فائق ہے۔

سورۂ اخلاص لکھی ہوئی تھی۔ جب عبدالرحمٰنؒ نے یہ سُنا۔ تو متحیر ہو کر کہا۔ صَدَقَ الشَّیْخُ عَبْدُ الْقَادِرِ سُلْطَانُ الْوَقْتِ صَاحِبُ التَّصَرُّفِ۔ [1] پس یہ وہی تصرف ہے جو اس شعر میں مذکور ہے۔ ظاہر بینوں کو ایسی روایات اور اس قسم کے واقعات غیر ممکن معلوم ہوتے ہیں۔ اور جہالت و ناواقفیت سے نہ صرف فضیلت کا انکار کرتے ہیں۔ بلکہ ان کی ہنسی اڑاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ قدرت کے تمام تغیرات اور تبدلات پر احاطہ رکھتے ہوں۔ اور ان کی نظر باطنی سے دنیا پرستی اور ظاہر بینی کا پردہ اٹھا دیا جائے۔ تو اُن کو معلوم ہو جائے کہ فی الحقیقت جو کچھ کہا گیا ہے۔ درست ہے تعریف و تصرف کے معنی سمجھانے کے لئے یہ تشریح ضروری ہے کہ خداوند تعالیٰ ابتداءً جب انسان کی حالت میں تبدیلی کرتا ہے۔ تو وہ احکام الٰہی کا پورا پابند ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ اُس کو زہد و تقویٰ کی حالت میں تبدیل کرتا ہے حتیٰ کہ اسکو منزل تقرب حاصل ہو جاتی ہے۔ اور ولی اللہ جو اس تبدیلی کے تابع ہوتا ہے صاحب التصرف کا لقب پاتا ہے۔ کیونکہ تصرف کے دو معنی ہیں۔ کسی کام میں مشغول ہونا یا ایک سمت سے دوسری سمت کو پھر جانا۔ تصرف الٰہی اس شخص پر مبذول ہوتی ہے جس میں استعداد تصرف ہو ؎

چوب تر را چنانکہ خواہی پیچ
نشود خشک جز بآتش راست

[1] حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سلطان الوقت صاحب تصرف نے سچ فرمایا۔

(۸) أَنَا الْبَازِیُّ الْأَشْهَبُ كُلِّ شَیْخٍ
فَمَنْ ذَا فِی الرِّجَالِ أُعْطِیْ مِثَالِیْ

أَنَا۔ ضمیر واحد متکلم۔ الْبَازِیُّ باز مشہور پرندہ ہے۔ الْأَشْهَبُ۔ وہ چیز یا جانور جس میں سفیدی و سیاہی ہو۔ لیکن سفیدی غالب ہو۔ محاورہ میں آیا ہے یَوْمٌ أَشْهَبُ وہ دن جس میں ہوا سرد چلتی ہو۔ فَرَسٌ أَشْهَبُ۔ وہ گھوڑا جس میں سفیدی زیادہ ہو۔ أَشْهَبُ۔ غالب۔ شَیْخٍ۔ اصطلاح صوفیاء میں اُس سالک کو کہتے ہیں جو شریعت کی متابعت سے حقیقت کے مرتبۂ عالی تک پہنچ جائے۔ اور درجۂ فنا سے بقاء پر فائز ہو۔ مَنْ استفہامیہ۔ ذَا بمعنی اَلَّذِیْ۔ رِجَال کی تشریح پہلے ہو چکی ہے۔ أُعْطِیْ صیغہ ماضی مجہول۔ اعطاء بخشش کرنا۔ ضمیر مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُهٗ راجع بطرف مَنْ۔ اس شعر پر بھی بعض اعتراض کرتے ہیں کہ ایک تو أُعْطِیْ کا ہمزہ گر جاتا ہے۔ دوسرا أُعْطِیْ کی یائے کو ساکن کیا گیا۔ حالانکہ یائے مفتوحہ ہے۔ اس کے جواب میں مشہور فاضل ادیب علامہ اسمٰعیل بن ابی بکر المقری کا شعر ہے۔

أَحَقُّ شَیْءٍ بِرَدٍّ مَا تُخَالِفُهٗ ✦ شَهَادَةُ الدَّهْرِ فَاحْكُمْ صَنْعَةَ الْجَدَلِ[1]

یہاں فَاحْكُمْ کا ہمزہ گر گیا ہے جو قطعی تھا۔ أَحْكِمْ امر ہے باب افعال سے۔ اور اسی طرح ماضی کے آخر کو جس کا مفتوح ہونا لازمی ہے ساکن کر دیتے ہیں جیسا کہ علامہ صفدی رحمۃ اللہ علیہ کے لامیہ میں ہے۔

[1] زمانہ کی شہادت جس چیز کے مخالف ہو اسکو رد کرو نیا شایاں ہے۔ اس امر پر فن مناظرہ میں کاربند ہو۔ یعنی جس چیز کے متعلق زمانہ کی شہادت خلاف ہو اس کو نہ تو اپنی طرف سے مناظرہ میں پیش کرو۔ اور نہ ہی مخالف کی طرف سے مناظرہ میں قبول کرو۔

مَنْ جَالَسَ الْغَاغَةَ النَّوْكَیْ جَنٰی نَدَمًا[1] لِنَفْسِهٖ وَرُمِیْ بِالْحَادِثِ الْجَلَلِ

رُمِیْ کی یاء کو جو مفتوح تھی ساکن پڑھا گیا ہے۔

نیز حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی مشہور مناجات کے ایک شعر میں ہے۔

رَبِّ هَبْ لِیْ كَنْزَ فَضْلٍ أَنْتَ وَهَّابٌ كَرِیْمٌ[2] فَاعْطِنِیْ مَا فِیْ ضَمِیْرِیْ دُلَّنِیْ خَیْرَ الدَّلِیْلِ

فَاعْطِنِیْ میں ہمزہ ساقط کیا گیا ہے۔

اشہب کل شیخ بمعنی اغلب کل شیخ ہے۔ اس کی ترکیب نحوی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ أَنَا ضمیر متکلم مبتداء۔ البازی معرف باللام جو افادہ کمال کا دیتا ہے یعنی فرد کامل خبر ہو أَنَا کی۔ اور اشہب مضاف۔ کل شیخ مضاف الیہ۔ دوسری خبر ہے أَنَا کی۔ یہ ترکیب بھی ہو سکتی ہے کہ کل کے ماقبل لفظ علی محذوف ہے جو جائز ہے۔ اور کل کا کسرہ حرف علی کے حذف پر دلالت کرتا ہے۔ صاحب بیضاوی آیت وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ أَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ[3] کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ أَنْ لَهُمْ الْمَنْصُوْبُ بِنَزْعِ الْخَافِضِ وَإِفْضَاءِ الْفِعْلِ إِلَیْهِ أَوْ مَجْرُوْرٌ بِإِضْمَارِهٖ مِثْلُ اَللّٰهِ لَأَفْعَلَنَّ واو قسمیہ جارہ تھی جو حذف ہوئی۔ اور اللہ مجرور پڑھا گیا۔ یا أَشْهَبُ فعل مضارع ہے۔ یعنی لاغر کرتا ہوں خوف سے ہر شیخ کو محاورہ عرب میں ہے۔ شَهَبَتِ السَّنَةُ الْقَوْمَ قحط نے قوم کو لاغر کیا۔ بعض نسخہ میں اَلْبَازِیُّ الْأَشْهَبُ ہے۔ اس صورت میں الْأَشْهَبُ میں جو ہمزہ قطعی ہے۔ گر جاتا ہے۔ اور حرکت ماقبل حرف لام کو دی جاتی ہے۔ الْأَشْهَبُ صفت ہے البازی کی۔

[1] جو شخص جہلاء عوام الناس کی صحبت میں رہیگا۔ اس کا نتیجہ شرمندگی ہوگی اور بڑے بڑے حوادث کا نشانہ بنیگا۔
[2] اے خدا مجھے مہربانی کا خزانہ بخش کیونکہ تو بڑا بخشنے والا کریم ہے۔ اور میری دلی مراد عطا کر اور نیک راہ دکھا۔
[3] اور اے پیغمبر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے انکو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے بہشت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔

ترجمہ: جس طرح سفید باز پرندوں پر غالب ہوتا ہے۔ اسی طرح میں بھی تمام مشائخ پر غالب ہوں۔ بتاؤ مردانِ خدا میں سے کون ہے جس کو میرے جیسا رتبہ ملا ہے؟ کسی کو ایسا رتبہ نہیں دیا گیا۔

تشریح: جس طرح باز پرندوں پر غالب آکر ان کو اپنے چنگل میں دبوچ لیتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے مجھے یہ طاقت دی ہے کہ میں ہر ایک شیخ کو اپنا مطیع و منقاد بنا لوں یا یہ معنی ہیں کہ جس طرح باز شکاری کے لئے (پرندوں کو شکار کر کے) طعمہ بہم پہنچاتا ہے اسی طرح میں دوسرے اولیاء اللہ کے لئے اسرارِ الٰہی و خواصِ یزدانی حاصل کر کے فیضانِ علم و معرفت کا ذخیرہ بہم پہنچاتا ہوں اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے۔ کہ جس طرح باز بلند پروازی کرتا ہے۔ اسی طرح میں عرش تک پرواز کر کے بعد حصول اسرارِ الٰہیہ اولیاء اللہ کے واسطے قوت روح و جان مہیا کرتا ہوں۔ اور نیز یہ شعر جواب ہے حضرت عبدالرحمٰن طفسونجی کے مقولہ مشہورہ کا جس کا ذکر شعر سابق میں ہو چکا ہے۔ اَنَا کَالْکُرْکِیِّ بَیْنَ الطُّیُوْرِ اَطْوَلُھُنَّ عُنُقًا[1] ظاہر ہے کہ کرکی سے باز کا رتبہ بالاتر ہے۔ کرکی میں صرف درازی گردن کے لحاظ سے جسمانی تعریف ہے۔ اور باز میں شجاعت قوتِ بازو ایسی صفت ہے جو جسمانی و روحانی فضیلت کو ثابت کرتی ہے حضرت رضی اللہ عنہ نے ایک اور قصیدہ میں اس شعر کے مفہوم کے مطابق فرمایا ہے ؎

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا + اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ[2]

بعض ولی یا نبی کا دیگر اولیاء یا انبیاء پر فائق ہونا کلام مجید سے ثابت ہے۔ وَرَفَعْنَا بَعْضَھُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ[3]۔ زبدۃ الحقائق میں شیخ کی تشریح اس طرح لکھی ہے

ے میں اولیاء میں اس طرح ہوں جس طرح کلنگ بلحاظ لمبی گردن کے پرندوں میں۔ ے پہلے اولیاء اللہ کا آفتاب غروب ہو گیا۔ اور ہمارا آفتاب رفعت کے آسمان پر درخشاں رہیگا۔ ے اور ہم نے دنیوی درجوں کے اعتبار کر ان میں ایک کو ایک پر ترجیح دی ہے۔

کہ جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد پر ایمان لاتا ہے۔ وہ اہل شریعت ہے اور جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت پر عامل ہو وہ اہل طریقت ہے۔ اور جو شخص اُن اسرارِ قدرت و حقیقت پر آگاہ ہو جن پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم محیط ہے۔ وہ اہل حقیقت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص شریعت کے تابع نہیں۔ اسے نہ معرفت ہے نہ طریقت نہ حقیقت بلکہ وہ حیوانِ محض ہے۔ فتوح الغیب میں حضرت قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا کُلُّ حَقِیْقَۃٍ رَدَّتْہُ الشَّرِیْعَۃُ فَھِیَ زَنْدَقَۃٌ[1] بعض لوگ سلوکِ فقر کی حقیقت دریافت کیا کرتے ہیں۔ اس لئے مناسب ہے۔ کہ اس شعر کی ضمن میں اس کی بھی کچھ تشریح کر دی جائے۔ سلوک کی چار قسمیں ہیں۔

ناسوتی۔ ملکوتی۔ جبروتی۔ لاہوتی

سلوکِ ناسوتی۔ گناہ سے توبہ کرنا۔ ہمیشہ وضو کے ساتھ رہنا۔ خدا کی یاد ہر وقت رکھنا۔ نماز با جماعت پڑھنا۔ احکام شرعیہ کو کما حقہٗ بجا لانا۔ نواہی سے محترز رہنا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال و اعمال کا ورد و تتبع کرنا۔ ایک نماز فارغ ہو کر دوسری نماز کی انتظار میں ایسا خورسند رہنا جیسے کوئی عاشق معشوق کی آمد کی خبر پا کر خوش ہوتا ہے۔

سلوکِ ملکوتی۔ نفس کی خواہشوں کو روکنا۔ حرص و طمع کو ترک کرنا۔ ذمائم و رذائل کو دور کر کے خصائلِ حسنہ و فضائلِ حمیدہ کو اختیار کرنا۔ قرآنِ پاک میں اسی منزل کی طرف اشارہ ہے۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝[2] یہ رتبہ اس طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ کہ گناہوں سے جو زنگ دل پر آجاتا ہے۔ اُس کو دور کر کے آئینۂ دل کو مظہرِ اخلاقِ احمدی بنایا جائے۔ اور انوار اوصافِ محمدی کو ظلماتِ

ے ہر حقیقت جس کو شریعت رد کر دے وہ زندقہ ہے۔

ے اور خود تم میں بھی نشانیاں ہیں، تو کیا تم غور نہیں کرتے

کدورتِ باطنی کو زائل کیا جائے۔ سالکِ ملکوتی کے حق میں آیا ہے۔

اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ط [1]

سلوکِ جبروتی جب سالک پہلی دو منزلیں طے کر جاتا ہے۔ تو اس پر اسرارِ الٰہیہ کا انکشاف شروع ہوتا ہے۔ اور اس کو ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاہِرُ وَالْبَاطِنُ [2] کی حقیقت سے آگاہ کیا جاتا ہے یعنی کوئی چیز خدا سے پہلے نہیں ہے۔ جو اُس پر سبقت لے جائے۔ ہر چیز فانی ہے۔ اُسی کو بقا ہے۔ کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ [3] جب اس پر راز و کشف کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ تو آبِ فنا سے اس کی جسمانی میل کو دھویا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کو لباسِ بقا پہنا کر عطر عفت میں بسا کر ذوالجلال والاکرام کے تخت کے سامنے لایا جاتا ہے اور خطاب ہوتا ہے۔ اِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ اَمِیْنٌ [4] اور ذاتِ الٰہی کی تجلیات و انوارِ نامتناہی کے قرب سے فائز ہوتا ہے۔ اور اس کا درجہ قرب ساعۃً فساعۃً بڑھتا جاتا ہے اسی مقام کی نسبت حضرت قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا ہے۔ مُقَامِیْ فَوْقَکُمْ مَا زَالَ عَالٍ۔ خداوند تعالیٰ کی ذات جیسی لازوال ہے۔ اسی طرح اس کی تجلیات بھی لازوال ہیں اس لئے جو شخص ان تجلیات سے منور ہوتا ہے۔ اس کا درجہ لحظہ بہ لحظہ بلند ہوتا جاتا ہے۔ اسی منزل و مقام کی نسبت آیا ہے۔ مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ [5] جب معرفت کی انتہا ہی نہیں تو کس طرح انتہائے معرفت پر کوئی فائز ہو سکتا ہے۔ انہیں تجلیات کے

---

[1] مگر ہاں اسی کی نجات ہوگی۔ جو پاک دل لے کر خدا کی حضور میں حاضر ہوگا۔ [2] وہی شروع سے ہے وہی آخر تک رہیگا اور قدرتوں سے ظاہر اور ذات صفات سے پوشیدہ ہے اور وہ ہر چیز سے واقف ہے پ ۲۷ ع ۱۷ [3] ہر چیز سوائے خدا کے فنا ہونے والی ہے۔ [4] آج سے تو ہماری سرکار میں بڑے باوقار اور صاحب اعتبار ہو پ ۱۲ ع ۷ [5] ہم نے آپ کو نہیں پہچانا جیسا کہ حق ہے پہچاننے کا۔

بارہ میں وارد ہے۔ قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا [1]

سلوکِ لاہوتی۔ جب سالک درجہ جبروتی سے اپنے آپ کو لاشے اور فانی سمجھتا ہے تو پھر اس لائق ہو جاتا ہے کہ بارگاہ میں باریاب ہو۔ جب اس منزل کے دروازہ پر جاتا ہے تو بارگاہِ اقدس سے حکم ہوتا ہے۔ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی [2] پھر کسوتِ ہستی کو اتار کر داخل ہو جاتا ہے۔

اس تقریر سے مسئلہ معراج جسمانی حل ہو جاتا ہے۔ اور جو لوگ اس میں متحیر ہیں انکی تسلی بھی ہو جاتی ہے جب انسان کو اس قسم کا رتبہ حاصل ہوتا ہے۔ اور کشش ثقل معدوم ہو جاتی ہے۔ تو جسم کے ساتھ معراج کا ہونا کسی طرح قابلِ اعتراض نہیں رہتا جو ذات خاصیات اور اسباب موجودہ کی خالق ہے۔ وہ بعض حالتوں میں اگر خاصیت اسبابِ موجودہ کو اٹھا کر دوسری خاصیت یا سبب موافق پیدا کرے تو کیا مشکل ہے؟

خدا تعالیٰ کی قدرت کو خاص وقت اور خاص حالت سے مخصوص کرنا جہالت ہے اور یہ خیال کہ پھر وہ دوسرے وقت یا دوسری حالت میں ایسا نہیں کر سکتا۔ باطل ہے۔ نَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔ سلوک کی معراج کو ایک اور مثال سے بھی ظاہر کیا جاتا ہے کہ اگر کسی شخص کو کیچڑ میں پڑا ہوا سونے کا ٹکڑا ملے تو وہ اس کو دھوتا ہے۔ اور سنار کے پاس فروخت کرتا ہے۔ سنار اُسے آگ میں ڈال کر صاف کرتا ہے۔ اور ہر طرح کی میل کچیل دور کر کے کندن بناتا ہے۔ یہ کندن اس قابل ہو جاتا ہے کہ لعل و جواہر کی

---

[1] اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو اگر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کے لئے سمندر کا پانی سیاہی کی جگہ ہو تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے اگرچہ ویسا ہی اور سمندر اس کی مدد کو لائیں۔ پ ۱۶ ع ۳ [2] تو اپنی جوتیاں نکال ڈال کیونکہ اس وقت تم طویٰ نام کے میدان پاک میں ہو۔ پ ۱۶ ع ۱۰

بایۂ زینت سمجھ کر تاج شاہی میں لگایا جائے۔ یہی مثال انسان کی ہے۔ کہ مرشد کامل پہلے اس کو شیطان کے دام سے رہائی دیتا ہے۔ اور اس کے باطن کو صاف کرتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اس کو اپنے فیضان سے بارگاہ ایزدی تک پہنچاتا ہے۔ اس مثال سے مدارج حقیقت کا مفہوم پورے طور پر واضح ہوتا ہے۔ جو لوگ آجکل دنیوی علوم میں اپنے آپ کو متبحر سمجھ کر اس حقیقت سے ناآشنا رہتے ہیں فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا[1] ان کو کوئی کس طرح سمجھائے؟ ایک ہندس الجبر والمقابلہ کے عمل سے کسی مجہول عدد کی قیمت بتاتا ہے۔ وہ جاہل کو کس طرح یقین دلا سکتا ہے۔ کہ اس خاص ترتیب اعدادی سے عدد مجہول دریافت کیا جا سکتا ہے۔ جاہل اگر ان لوگوں کی طرح جو آج کل راز حقیقت کو قصہ کہانی خیال کرتے ہیں انکار کردے کہ میں یہ تسلیم نہیں کرتا۔ تو کون اس کی زبان بند کرسکتا ہے اگر وہ جاہل علم ہندسہ پڑھے۔ اور الجبر والمقابلہ سیکھے تو اس کو جلدی یقین آجائیگا۔ کہ واقعی ایسا ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر اس زمانہ کے ناواقفان حقیقت احکام شریعت کے پابند ہوں اور مرشد کامل کے ذریعہ صفائی قلب حاصل کریں تو ان کو معلوم ہو جائیگا کہ یہ بالکل صحیح ہے۔ پہاڑوں میں ہزاروں قسم کے میوے ہیں لیکن میدان کے رہنے والے اگر اپنی جہالت سے کسی غیر معروف میوے کے وجود سے انکار کردیں تو ثبوت بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کو پہاڑ پر لیجا کر کسی ایسے خطہ کی سیر کرائی جائے جہاں اس قسم کے درخت ہوں۔ جس طرح اس دنیا میں واقعات کے معلوم کرنیکے لئے ذرائع خط۔ تلغرافات وغیرہ ہیں۔ اسی طرح عالم روحانی کے اسرار معلوم کرنے کے لئے

---

[1] انکے دلوں میں پہلے ہی سے کفر کا مرض تھا۔ اب قرآن نازل کرکے اللہ تعالیٰ نے ان کا مرض اور بھی بڑھا دیا
پ ۱، ع ۲

مکاشفہ۔ الہام۔ رؤیا۔ اور وحی ہیں۔ جو اپنا ثبوت خود ہیں۔ ع

آفتاب آمد دلیل آفتاب

جاہلوں کے انکار کا کیا علاج؟ تمام دنیا جمع ہو۔ اگر ایک منکر مادر زاد اندھے کو کوئی تسلیم نہیں کرا سکتا۔ کہ دنیا میں آفتاب ایک ایسا جرم ہے جو تمام جہان کو روشن کرتا ہے۔ اور ہماری آنکھیں باریک سے باریک چیز کو دیکھ سکتی ہیں۔ دنیا میں ایسے فرقہ کے لوگ فخر کرتے ہیں کہ ہم کو کوئی قائل نہیں کرا سکتا چونکہ وہ طالب حق نہیں ہوتے صرف بزعم ناقص عوام میں فلاسفر یا سائنس دان ہونے کے مدعی ہوتے ہیں۔ مگر اسی میں رہ کر اس دائمی نعمت سے محروم رہتے ہیں۔

مادہ پرستوں کا انکار آج سے نہیں ہے۔ قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے مردوں کو زندہ اور اندھوں اور جذامیوں کو اچھا کیا۔ موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے ید بیضا دکھلایا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نے سینکڑوں معجزے دکھلائے۔ قرآن شریف نے فصاحت و بلاغت کے زمانہ میں۔ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ کا نقارہ بجایا۔ لیکن جن کے دل سیاہ تھے اور خدا تعالیٰ نے انکے دلوں پر مہر لگادی تھی۔ باوجود ایسے روشن نشانیوں کے ایمان نہ لانا تھا۔ نہ لائے۔

مادہ پرست چونکہ اس عالم علوی سے ناواقف ہیں۔ بجائے اس کے کہ وہ ان حقائق عالیہ کے سمجھنے کی کوشش کریں۔ کتب سماوی کے واقعات محققہ کی تاویل کرتے ہیں اور دنیا کو تاریکی میں ڈالتے ہیں۔ انکو چاہیئے۔ کہ صورت کو چھوڑ کر معنی میں غور کریں ؎

در نگاہ و شاہد معنی عالم غوطہ زن ۔ تا بجولاں گاہ صورت بستۂ دام نگاہ

(۹) كَسَانِي خِلْعَةً بِطِرَازِ عَزْمٍ
وَتَوَّجَنِي بِتِيجَانِ الْكَمَالِ

كسوۃ لباس پہنانا۔ كَسَانِيْ ماضی مطلق۔ نون وقایہ یائے متکلم مفعول خِلْعَةً وہ لباس جو بادشاہ ارکانِ دولت یا خدام کو خاص خدمات یا اعزاز کے صلہ میں عنایت کرتے ہیں۔ جو ان کے لئے باعثِ امتیاز و افتخار ہوتا ہے۔ محاورہ میں آیا ہے۔ خَلَعَ عَلَيْهِ خِلْعَةً طِرَازٌ۔ بالکسر، بیل بوٹے جو کپڑے پر ہوتے ہیں۔ (سنجاب) معرب تراز کا۔ عَزْمٌ۔ مصدر، قصد کرنا قرآن شریف میں ہے۔ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ[1]۔ چونکہ توکل کی حالت میں کسی کوشش اور اسباب تدبیر اور قابلیت پر بھروسہ نہیں رہتا۔ اس لئے لازم ہے۔ کہ عزم کے مفہوم میں اصطلاحاً فنائے اسباب وتدابیر شامل ہوں۔ تَوَّجَنِيْ ماضی۔ تَتْوِيْج۔ مصدر۔ تاج پہنانا۔ تاج کی جمع تیجان ہے۔ تِيجَانِ الْكَمَالِ سے مراد عزت وصال باری عز اسمہٗ ہے جس کی تعریف کلام اللہ میں ہے۔ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ[2] اور اس درجہ کا نام منزل صدق ہے۔ چونکہ مقرب درگاہ کو کئی طرح کا فیضان کمال ہوتا ہے۔ اس لئے کمال کے انواع کو تیجان سے تعبیر کیا۔ یعنی ہر ایک قسم کا تاج کمال بخشا۔ اس شعر میں بجائے اَلْبَسَنِيْ بِتِيجَانِ الْكَمَالِ فرمانے کے تَوَّجَنِيْ بِتِيجَانِ الْكَمَالِ فرمایا تاکہ لفظ تیجان کی مناسبت قائم رہے۔ اور یہ کمال فصاحت ہے۔ تَوَّجَنِيْ و كَسَانِيْ کا ضمیر فاعل اَللهُ یا حُبُّ اللهِ کی طرف راجع ہے۔

[1] پھر مشورہ کے بعد جب تمہارے دل میں ایک بات ٹھن جائے تو بلا تامل کر گزرو مگر بھروسہ خدا ہی پر رکھنا ۱۲۔
[2] آج سے تم ہماری سرکار میں بڑے باوقار اور صاحب اقتدار ہو پ ۱۳ ع ۶

ترجمہ: خدا یا محبت نے مجھے وہ خلعت جس پر عزم کے بیل بوٹے تھے پہنایا اور کمال کے تمام تاج میرے سر پر رکھے

تشریح: بارگاہِ ایزدی کے انعام اور تفضلات کی توضیح بن وجہ دنیوی حالات سے ہوسکتی ہے۔ کیونکہ دنیا حقیقی واقعات اور مقاصد کا پر تو ہے جس طرح کہ زمانہ سابق میں بادشاہ جب کسی ادنیٰ خادم پر عنایت فرماتے تھے۔ اور ارادہ یہ ہوتا تھا کہ اسکو اپنا مقرب بنائیں تو حکم دیتے تھے کہ اس کو حمام میں لیجاؤ۔ ملازمانِ گاہ نہلا دھلا کر لباس پاکیزہ پہناتے۔ اور بادشاہ کی حضور میں پیش کرتے تو عنایات سلطانی کو دیکھ کر سب لوگ اس کی عزت کرتے تھے۔ اس کی پہلی حالت بالکل بدل جاتی تھی اور اس کے خیالات بلند ہوجاتے تھے۔ اور ساعت بساعت موردِ الطاف شاہی ہوکر ترقی کرتا حتیٰ کہ وزیر اعظم یمین الدولہ ہوجاتا تھا۔ اور ملکی ومالی مہمات طے کرتا تھا۔ اسی طرح سالک کی حالت ہے۔ کہ وہ توبہ استغفار اور عبادت کی بدولت حرص وہوا کی آلودگیوں سے پاک ہوکر باری تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے اور خلعتِ اعزاز سے سرفراز ہوتا ہے۔ سالکوں کا عزم کیا ہے؟ دنیا کا ترک وبیخودی اور خلعتِ خدا کیا ہے؟ بقا باللہ۔ چونکہ حضرت قدس سرہٗ کا لقب سلطان الاولیاء تھا اس لئے تاج کمال بھی آپکے شان کے شایاں تھا۔ چونکہ فیضان الٰہی کی حد ونہایت کوئی نہیں۔ اس لئے کمال کا مفہوم سمجھ میں نہیں آسکتا۔ البتہ کمال سے مراد وہ سبقت ہوسکتی ہے جو حضرت کو دوسرے اولیاء اللہ پر حاصل ہے۔ اس لئے یہ کمال اضافی کمال ہے۔ اور چونکہ حضرت کا کمال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمال کا ظل اور تابع ہے۔ اس لئے اس پر بھی کمال کا اطلاق صحیح ہوا۔ — باصطلاحِ تصوف

کمال کی دو قسمیں ہیں۔ کمال فی السیر الی اللہ۔ کمال فی السیر فی اللہ قسم اول کیلئے ایک حد معین ہے۔ اولیاء اللہ جب استعداد و ملکہ اس کو حاصل کر کے ایک حد معین کے اندر ایک دوسرے پر برتری حاصل کر سکتے ہیں جیسا کہ فوج کے افسران درجن کے چند عہدے مقرر ہوتے ہیں ان کی ترقی بموجب قانون حد معین تک ہوتی ہے۔ اور ایک عہدہ دار دوسرے عہدہ دار کے تابع رہتا ہے۔ قسم دوم الکمال فی السیر فی اللہ کی کوئی حد مقرر نہیں۔ ترقی کا میدان لاانتہا ہے جس طرح کہ ایک اولوالعزم بادشاہ کیلئے کشور کشائی کا میدان وسیع ہوتا ہے۔ اس کی تفسیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی ہے۔ [1] لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ

اور خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے [2] کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ۔

فرقہ دوم کے مقربین کا شوق تقرب الی اللہ جس قدر وہ قریب ہوتے جائیں بڑھتا جاتا ہے جس طرح مستسقی پانی سے سیر نہیں ہوتا۔ اسی طرح مقربین بھی دیدار الٰہی سے سیر نہیں ہوتے۔ اور اس خلعت کا ذکر خدائے تعالیٰ نے کلام اللہ میں فرمایا ہے۔ [3] وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ جس طرح لباس ظاہری جسم کو ڈھانپتا۔ اور گرمی و سردی سے محفوظ رکھتا ہے۔ اسی طرح یہ خلعت و لباس اولیا کی حفاظت کرتا ہے۔ تاکہ نفس و شیطان ان پر غلبہ نہ پا سکیں۔ اور ان کے اسرار مخفی رہیں ع کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد۔

اسی واسطے اس کا نام کلام اللہ میں لباس التقوی رکھا گیا ہے۔ توکل کے

[1] میں تیری تعریف بیان نہیں کر سکتا جس طرح کہ تو نے اپنی تعریف بیان کی ہے [2] بلکہ ہر روز ایک نہ ایک کام میں رہتا ہے۔ [3] اور پرہیزگاری کا لباس سب سے بہتر لباس ہے پ ۸ ع ۹

معنی اہل عرفان کے نزدیک ھُوَ النِّہَایَۃُ الْاَخِیْرَۃُ الَّتِیْ ھِیَ عِبَارَۃٌ عَنِ الْخُرُوْجِ الْکُلِّیِّ عَنْ اِرَادَۃِ الْعَبْدِ اَوِ الْفَنَاءُ الْکُلِّیُّ الَّذِیْ یَعْقُبُہُ الْبَقَاءُ الْکُلِّیُّ الْمُنْتَھٰی اِلَیْہِ الْمَسِیْرُ اِلَی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ[1] یعنی کسی چیز کا ارادہ ہی نہ کیا جائے۔ اور نہ کوئی حاجت و مراد دل میں جگہ پا سکے بلکہ انسان کا وجود ارادۃ اللہ ہو جائے۔ پس انسان کا وجود جب ارادۃ اللہ ہو گیا تو انسان کی ہستی مٹ گئی اور جب ہستی مٹ گئی تو اطمینان ہو گیا [2] اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ جب انسان کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ تو وہ تصرفات الٰہی کے ایسا تابع ہو جاتا ہے جس طرح انگشتری کسی شخص کی انگلی کے تابع ہوتی ہے۔ اس وقت خرق عادات[3] و کرامات انسان کی طرف منسوب ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کا فاعل خدا ہوتا ہے

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ [4] وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔ اس آیت میں حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ ایک گروہ علماء کا ایسے اقوال پر برافروختہ ہو کر کفر کا فتویٰ لگاتا ہے۔ لیکن یہ سمجھ کا قصور ہے۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے [5] وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ صوفیائے کرام کرامت یا خرق عادات یا معجزہ کو ولی یا نبی کا فعل نہیں جانتے۔ بلکہ وہ حقیقت میں خدا تعالیٰ کا فعل سمجھتے ہیں چونکہ خدا تعالیٰ انسانی صورت میں ان کو ہدایت کے لئے بھیجتا ہے۔ اس لئے ایسے فعل ان سے

[1] توکل کے معنی اہل عرفان کے نزدیک سالک کا آخری مرتبہ ہوتا ہے جس میں کہ سالک اپنے نفسانی ارادے سے بالکل باہر آ جاتا ہے۔ یا اس کو فنائے کلی کہنا چاہئے جس کے بعد بقائے کلی کا مرتبہ آتا ہے جس کی انتہا خدا کے اسرار کی سیر کرنا ہے۔ [2] سن رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسکین حاصل ہوتی ہے [3] حالانکہ تم کو اور جن چیزوں کو تم بناتے ہو سب کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے پ ۲۳ ع ۶ [4] بے مشیت ایزدی تم کوئی چارہ نہیں کر سکتے۔

ظاہر کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا۔ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ[1] ۔ اس سے ایک دقیق مسئلہ حل ہوجاتا ہے۔ بعض لوگ معتقدین کرامات و معجزات کو (جو انبیاء اور اولیاء سے اثبات رکھتے ہیں) مشرک کہتے ہیں۔ اور شرک فی اوصاف اللہ خیال کرکے کفر کا فتویٰ دیتے ہیں ایسے لوگ غلطی پر ہیں۔ حقیقت میں کوئی شخص اولیا اور انبیاء کو خدا نہیں سمجھتا اور نہ اُن کو بغیر مشیت اللہ کسی چیز پر قادر جانتا ہے۔ اس صورت میں معتقدین کرامات پکے موحد ہیں۔ اور اُن پر فتویٰ کفر لگانے والے غلطی پر ہیں۔

معجزات و کرامات اولیا، حق ہیں۔ کیونکہ خدا تعالےٰ رسل و اولیا کو تمام اسباب ہدایت عطا کرتا ہے۔ بعض لوگ الہامی کتابوں کے الفاظ سے بعض دلائل عقلیہ سے بعض پیشین گوئی سے۔ بعض خرق عادت سے علی حسب استعداد ایمان لاتے ہیں۔ حقیقت میں کرامات و معجزات خدا کے حکم سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اولیا و انبیا فقط ایک مظہر ہیں۔ جن کے ہاتھ پر نشان ظاہر کئے جاتے ہیں۔ استدلال سے ایسے نتائج پر پہنچنا مشکل ہے ؎

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

---

[1] اے پیغمبر لوگوں کو کہہ دے کہ میں بھی تو تم جیسا ایک بشر ہوں۔ مجھ میں اور تم میں صرف اتنا فرق ہے۔ کہ میرے پاس خدا کی طرف سے وحی آتی ہے۔

(۱۰) وَاَطْلَعَنِیْ عَلٰی سِرٍّ قَدِیْمٍ
وَقَلَّدَنِیْ وَاَعْطَانِیْ سُؤَالِیْ

اَطْلَعَنِیْ۔ صیغہ ماضی۔ نون وقایہ یائے متکلم مفعول۔ اِطْلَاع۔ آگاہ کرنا۔ سِرّ۔ راز مخفی۔ ضد ظہور۔ سِرٍّ قَدِیْمٍ سے مراد یا تو رتبۂ تکوین ہے جو اولیاء اللہ کو تخلق باخلاق اللہ ہونے کے بعد عطا ہوتا ہے۔ یا قرآن پاک یا وصول ذاتی ہے اس کا ذکر آئندہ اشعار میں انشاء اللہ تفصیل کے ساتھ آئیگا۔ قَلَّدَنِیْ صیغہ ماضی نون وقایہ یائے متکلم۔ تَقْلِیْد۔ گردن میں حمائل وغیرہ ڈالنا۔ یا قربانی کے جانور کے گلے میں کوئی چیز بطور امتیاز ڈالنا مراد حمائل سے عزت و تمغۂ امتیاز ہے۔

اَعْطَانِیْ صیغہ ماضی نون وقایہ یائے متکلم مفعول۔ اِعْطَاء دینا۔ سُؤَال مطلوب مقصد۔ اَطْلَعَنِیْ وَقَلَّدَنِیْ وَاَعْطَانِیْ میں ضمیر فاعل یا تو اللہ کی طرف راجع ہے جو اشعار ماسبق میں مذکور ہے۔ یا حُبّ کی طرف جو پہلے شعر میں ہے۔

ترجمہ خداوند تعالیٰ یا حب الٰہی نے مجھے راز قدیم۔ معرفت اسرار قرآن یا رتبۂ تکوین پر مطلع کیا۔ اور مجھے عزت کا ہار پہنایا۔ اور جو کچھ میں نے مانگا وہ عطا کیا یا جس طرح قربانی کا جانور خدا تعالیٰ کے لئے مختص ہوتا ہے۔ اسی طرح خداوند تعالیٰ نے مجھے اپنے لئے مختص کیا۔

تشریح۔ حضرت جنید علیہ الرحمۃ سے کسی نے پوچھا کہ فقر کی کیا تعریف ہے۔ فرمایا کہ ظاہری وجود کو وجود حقیقی کی طلب میں گم کرنے کا نام فقر ہے۔ اور یہی تقلید ہے جس طرح تقلید سے قربانی کا جانور دوسرے جانوروں میں ممتاز ہوجاتا ہے اور اس میں ایک خصوصیت

پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت کو خداوند تعالیٰ نے دیگر اولیائے کرام سے مختص فرمایا۔ اس شعر میں ظل نبوت موسوی کا دعویٰ ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ قَالَ قَدْ أُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى[1] سوال سے مراد وصالِ حقیقی ہے جو ہر انسان کا مقصود اصلی ہونا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو مخاطب کرتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ[2] پیشانی پر اثر سجود امتیاز عزت ہے اور قلادہ سے مراد گردن کا خدا کے احکام کے آگے جھکانا ہے۔ یہ بھی ایک امتیاز ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى میں ہے۔ اس شعر کا بعینہٖ ترجمہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا ہے۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ ... کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو، ہیچ
رہ این است رو از طریقت متاب ... بنہ گام و کامے کہ خواہی بیاب

اس شعر میں مدارج ولایت کو بالترتیب بیان فرمایا ہے۔ ابتدائی درجہ شریعت ہے اور شریعت کا مدار قرآن اور قرآن قدیم ہے۔ پس قرآن کے نکات و بطون معانی پر مطلع ہونا سرِ قدیم پر مطلع ہونا ہے۔ قرآن کے احکام کی تقلید کا رشتہ گردن میں ڈالنا عزت حصول رضا و تسلیم ہے جب رضا و تسلیم کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ تو سب مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ انسان کا دل راضی برضاء اللہ ہو جاتا ہے اور یہی رتبہ طریقت کا ہے۔ اور جب تمام مرادیں حاصل ہو جائیں۔ تو یہی حقیقت ہے
رشتہ در گردنم افگندہ دوست ... مے برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے موسیٰ تیری مراد تجھے دی گئی ہے پ ۱۶ ع ۱۰
[2] ان کی شناخت یہ ہے۔ کہ سجدے کے نشان ان کی پیشانیوں پر ہیں۔ پ ۲۶ ع ۱۲

(۱۱) وَوَلَّانِيْ عَلَى الْأَقْطَابِ جَمْعًا ... فَحُكْمِيْ نَافِذٌ فِيْ كُلِّ حَالِ

وَلَّانِيْ۔ و ل ی۔ صیغہ ماضی۔ نون وقایہ۔ یائے متکلم مفعول۔ تولیہ۔ کسی چیز کی طرف متوجہ کرنا۔ یا کسی کو کوئی کام سپرد کرنا۔ قرآن شریف میں ہے۔ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ[1] اور محاورہ عرب میں آیا ہے۔ وَلَّاهُ الْأَمِيْرُ عَمَلَ كَذَا أَقْطَاب جمع قطب۔ تولیہ۔ عَلَى الْأَقْطَابِ سے مراد قطبیتِ کبریٰ ہے۔ جس کی تعریف کتب تصوف میں بایں الفاظ ہے۔ هُوَ بَاطِنُ نُبُوَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَكُوْنُ إِلَّا لِوَرَثَتِهٖ لِاخْتِصَاصِهٖ بِالْأَكْمَلِيَّةِ فَلَا يَكُوْنُ خَاتِمُ الْوَلَايَةِ وَقُطْبُ الْأَقْطَابِ إِلَّا عَلٰى بَاطِنِ خَاتِمِ النُّبُوَّةِ[2] اولیاء اللہ کی کئی قسمیں ہیں۔ افراد۔ اقطاب۔ اوتاد۔ ابدال۔ نجباء۔ نقباء۔

افراد۔ اس جماعت واصلین کا نام ہے جو قطب کے دائرہ تصرف سے خارج رہتی ہے کیونکہ افراد ملائکہ کے خلق ہیں اور ملائکہ تصرف ارضی سے بالاتر ہوتے ہیں اقطاب۔ وہ ہیں جو مدار وجود خلائق اور شہود حقائق ہیں۔ جیسا کہ فلکیات کے لیے قطب صرف انتظام امور عالم کے لئے منتخب کیا جاتا ہے جس طرح اصطلاح حکمت میں عقل اول کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے اسی طرح اصطلاح تصوف میں قطب صاحب مقام مخصوص ہے قطب متعدد ہیں۔ اور قطب الاقطاب کے ماتحت ہوتے ہیں۔ ذیل میں ان طبقات

[1] اے نبی مسجد حرام کی طرف منہ پھیر لے (اب نماز پڑھنے کے وقت) پ ۲ ع ۱ [2] قطبیت نبوت محمدی کا باطن ہے۔ پس نہیں حاصل ہوتی مگر اس کے ورثا کے لئے کیونکہ حقیقی کمال اُن کے لئے مختص ہے۔ پس خاتم الولایت اور قطب الاقطاب سوائے باطن خاتم النبوۃ کے نہیں ہو سکتا۔

کی تشریح کی جاتی ہے۔

ا۔ **قطب ارشاد**۔ یہ ولی اللہ اسباب ہدایت کا مدار ہوتا ہے۔ جس سے کفر و ضلالت کی تاریکی اس طرح دور ہو جاتی ہے۔ جس طرح آفتاب اور مہتاب سے اندھیرا جاتا رہتا ہے۔

ب۔ **اوتاد**۔ وجہ تسمیہ اس کی یہ ہے۔ کہ اوتاد جمع وتد کی ہے۔ جس کے معنی میخ ہیں۔ جس طرح میخ کسی چیز کے قیام اور ثبات کی ضامن ہوتی ہے۔ اور اس کو تنزلزل نہیں ہونے دیتی۔ اسی طرح قطب الاوتاد جہان کے قیام کا ضامن ہوتا ہے۔ گویا ہر ایک فرد اس طبقہ کا ایک میخ ہے۔ جس کے ساتھ زمین۔ آسمان۔ بحر و بر۔ وابستہ ہیں۔ قطب اور غوث ایک ہی شخص ہوتا ہے۔ گویا ایک ہی شخص کے دو مرتبے ہوتے ہیں۔ شرح دیوان علی میں لکھا ہے کہ اصطلاح صوفیاء میں قطب کو عبداللہ بھی کہتے ہیں۔ بعض اوقات قطب۔ بادشاہ بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ خلفائے راشدین اور امامین اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم اجمعین تھے۔

جب کوئی قطب وقت مرجاتا ہے تو اوتاد میں سے ایک فرد منصب قطبیت پر ممتاز کیا جاتا ہے۔ حضرت قدس سرہ جس طرح قطب الاقطاب ہیں۔ اسی طرح قطب الاوتاد بھی ہیں۔

ج۔ **ابدال**۔ جمع بدل کی ہے۔ یہ اولیاء اللہ کے اس طبقہ میں سے ہیں۔ جنکو خداوند تعالیٰ یوماً فیوماً درجہ کمال تک ترقی دیتا ہے۔ اگر ان میں سے ایک مرجائے تو دوسرا اس کی جگہ مقرر ہوتا ہے۔ اس لئے ان کا نام ابدال ہے۔ اسی طبقہ کے توسل سے بارش کی دعا مانگی جاتی ہے۔ یہ جماعت چالیس اولیاء اللہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ ان کے مدارج بالترتیب ہیں۔ ان کا ابتدائی درجہ نجبار کا اخیر درجہ ہے۔ اور ان کا

اخیر درجہ قطب الاوتاد کا ابتدائی درجہ ہے۔ جب ان میں سے کوئی مرجاتا ہے۔ تو باعتبار درجہ کے دوسرا ترقی پاتا ہے۔ حتیٰ کہ اخیر پر صالحین میں سے ایک کو اس جماعت میں ترقی دی جاتی ہے۔ قیامت تک ان کی تعداد اور سلسلہ اسی طرح جاری رہیگا۔ ابدال سے جو اعلےٰ مراتب پر فائز ہوتے ہیں۔ اوتاد کہلاتے ہیں۔

د **نجبار** جمع نجیب۔ ایک جماعت اولیاء کی ہے۔ اس کی تعداد بھی چالیس ہوتی ہے۔ ان کا ادنیٰ درجہ نقباء کا اخیر درجہ ہوتا ہے۔

ھ **نقباء**۔ تین سو اولیاء اللہ کی جماعت ہوتی ہے۔ ان کا ابتدائی درجہ صالحین کا اخیر درجہ ہوتا ہے۔

جَمْعًا بمعنی جمیع۔ اقطاب کی تمیز ہے یا حال۔ حُکْمٌ سے مراد فرمان جس کی تعمیل واجب ہو۔ نَافِذٌ جاری۔ نفوذ سے مشتق ہے۔ حال کی تشریح شعر ۱۴ میں آئیگی۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

ترجمہ

خداوند تعالیٰ یا محبت الٰہی نے مجھ کو تمام قطبوں پر حاکم بنایا ہے۔ میرا حکم ہر حالت میں (میری حیات میں اور بعد ممات) ہر وقت (صبح ہو یا شام دن ہو یا رات) جاری ہے۔



(۱۲) **وَلَوْ اَلْقَيْتُ سِرِّىْ فِىْ بِحَارٍ**
لَصَارَ الْكُلُّ غَوْرًا فِى الزَّوَالِ

لَوْ۔ حرف شرط۔ اَلْقَیْتُ۔ ماضی۔ اِلْقَاء۔ مصدر۔ ڈالنا۔ محاورہ عرب میں ہے اَلْقَیْتُ الشَّیْءَ اَطْرَحْتُہٗ اَلْقَیْتُ عَلَیْہِ الْقَوْلَ وَبِالْقَوْلِ اَبْلَغْتُہٗ وَاَمْلَیْتُہٗ اَلْقَیْتُ الْمَتَاعَ عَلَی الدَّابَّۃِ وَضَعْتُہٗ۔

سِرّ۔ راز مخفی۔ بِحَار۔ جمع بحر۔ دریا۔ بڑی نہر۔ فِی۔ بمعنی علیٰ۔ اور لفظ فِی کے استعمال میں یہ نکتہ ہے کہ حضور کی توجہ ایسی باریک ہے۔ کہ سطح بحر تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ اس کی تہ تک پہنچتی اور ایک ایک قطرہ میں سرایت کرتی ہے۔ لَصَارَ میں لام تاکید کا ہے۔ صَارَ کو بجائے صَیَّرَ لانے میں نکتہ یہ ہے۔ کہ آنحضرت کی توجہ سے خود بخود دریا معدوم ہو سکتے تھے۔ اَلْکُلّ اسم صَارَ۔ اس پر الف لام عوض مضاف الیہ کے ہے یعنی کُلُّ الْبِحَارِ یا کُلُّ مَاءِ الْبِحَارِ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ کل اور بعض کے لفظ خود معرفہ ہیں۔ پھر الف لام ان پر کیوں لایا گیا۔ قاموس میں اس امر کو صاف کیا گیا ہے۔ وَیُقَالُ کُلٌّ وَبَعْضٌ مَعْرِفَتَانِ وَجَآءَ عَنِ الْعَرَبِ بِالْاَلِفِ وَاللَّامِ وَھُوَ جَائِزٌ۔ اس سے ظاہر ہے کہ الف لام کا لانا درست ہے۔ غَوْرًا۔ نشیب زمین جس میں پانی خشک ہو گیا ہو۔ یُقَالُ مَآءٌ غَوْرٌ یعنی مَاءٌ غَائِرٌ۔ مصدر بمعنی اسم فاعل خبر صَارَ۔ قرآن شریف میں ہے۔ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَاؤُکُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْکُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ۔[1]

فِی الزَّوَالِ۔ زوال بفتح الزا۔ دور گشتن و دور شدن از جائے یعنی پھر جانا

---

[1] کہہ کہ بھلا دیکھو تم نے اگر ہو جاوے پانی تمہارا خشک پس کون لاویگا تمہارے پاس پانی جاری پ ۲۹ ع ۲

یا جگہ سے دور ہو جانا۔

ترجمہ۔ اگر میں اپنے راز یا توجہ یا طاقتِ خداداد کو دریاؤں پر ڈالتا۔ تو تمام دریاؤں کا پانی زمین میں خشک و معدوم ہو جاتا۔

تشریح۔ دریا کا خشک ہو جانا حضرت اقدس سرّہٗ کے خوارق میں سے ہے اس شعر میں حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت ظلی کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ یعنی جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توجہ سے دریائے نیل خشک ہو گیا تھا چنانچہ کلام اللہ میں ہے۔ فَانْفَلَقَ فَکَانَ کُلُّ فِرْقٍ کَالطَّوْدِ الْعَظِیْمِ[1] اسی طرح آنحضرت کی توجہ سے دریا و سمندر خشک ہو سکتے تھے۔

غَوْرًا فِی الزَّوَالِ کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ پانی کا زمین کے اندر جذب ہونا یعنی پانی کا وجود ہو۔ لیکن زمین میں غائب ہو۔ دوسرے یہ کہ پانی کا نام و نشان ہی نہ رہے۔ یہاں یہی معنی ہیں۔ قرآن میں ہے۔ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ الیٰ آخر الآیہ یا بحار سے مراد منکرین اور سرکش لوگ ہیں۔ یعنی حضرت کی توجہ سے منکروں اور سرکشوں کی سرکشی بالکل دور ہو جاتی تھی۔ اور آنحضرت پر ایمان لے آتے تھے۔

---

[1] اور دریا پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اور ہر ایک ٹکڑا گویا ایک بڑا پہاڑ تھا۔ پ ۱۹ ع ۶

(۱۳) **وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فِیْ جِبَالٍ**
لَدُکَّتْ وَاخْتَفَتْ بَیْنَ الرِّمَالِ

جِبَالٌ۔ جمع جبل۔ پہاڑ۔ دُکَّتْ۔ ماضی مجہول۔ مصدر دَکٌّ (کوٹنا)
قرآن مجید میں ہے۔ فَدُکَّتَا دَکَّۃً وَّاحِدَۃً[۱]۔ اَلْاَرْضُ دَکًّا۔ زمین کوفتہ
لَدُکَّتْ پر لام تاکید ہے۔ نائب فعل اس کا ضمیر جبال کی طرف راجع ہے۔
اِخْتِفَاء پوشیدہ ہونا۔ بَیْنَ درمیان۔ رِمَالٌ جمع رمل۔ ریت۔
ترجمہ اگر میں اس سر خداوندی یا طاقتِ خداداد کو پہاڑوں پر ڈالوں۔
تو وہ بوجہ خوف یا باعث عدم تحمل ریزہ ریزہ ہو کر ریت میں ایسے مل جائیں
اور پوشیدہ ہو جائیں کہ اُن میں اور ریت میں فرق نہ رہے۔
تشریح۔ گویا حضرت قدس اللہ سرہٗ کا دعوٰی آیۃ مذکورکے تابع ہے جو قیامت
کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ نیز اس شعر میں اس آیت کی طرف بھی اشارہ ہے
لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ
خَشْیَةِ اللّٰهِ[۲] ؕ پس اس شعر کا ثبوت قرآن شریف میں ہے۔ فَاِنِ اسْتَقَرَّ
مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى
صَعِقًا[۳] ؕ اگر سر سے مراد وہ نور ہو جو انسان کے دل میں ہے۔

---

۱ اور ایک ہی بار ان کو ریزہ ریزہ کر دیا جائیگا۔ ۲ اے پیغمبر اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا
اور وہی کی طرح اسکو بھی شعور ہوتا تو تم اس کو دیکھ لیتے کہ خدا کے ڈر سے جھک گیا ہوتا اور پھٹ جاتا۔
۳ پس اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو تم بھی اپنے پروردگار کو دیکھ سکو گے۔ پس ان کے پروردگار
نے پہاڑ پر جلوہ فرمایا۔ تو زلزلہ آیا اور اللہ نے اس کو چکنا چور کر دیا اور موسیٰ غش کھا کر گر پڑے پ ۹ ع ۷

جس سے خداوند تعالیٰ کے جلال کا مشاہدہ کیا جائے تو شعر کے معنی یہ ہونگے۔
کہ جس طرح خدا کے انوارِ جلال سے پہاڑ اپنی جگہ سے متزلزل ہو سکتے ہیں۔
اسی طرح حضرت قدس سرہٗ کے سر سے جو محل مشاہدہ جلال ہے۔ پہاڑ متزلزل
ہو سکتے ہیں۔ گویا یہ فعل حقیقت میں خداتعالیٰ کا فعل ہے حضرت قدس سرہٗ
کا وجود فنا فی اللہ ہو گیا تھا۔ اور ماسوائے وجودِ واجب الوجود کے کچھ باقی نہ رہا تو
یہ فعل ذات جل وعلا کی طرف منسوب ہوا۔ پس اس شعر میں اپنی ہستی اور
عمل کو نتیجۃً لاشیٔ محض کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے۔ یا جبال سے مراد
منکرین و متکبرین ہیں۔ یعنی اگر منکرین اور متکبرین پر میں اپنی توجہ ڈالوں۔ تو
ان کا دل (جو پتھر کی طرح سخت ہے) پاش پاش ہو جائے۔ جبال سے
متکبرین کی تشبیح قرآن مجید میں بھی ثابت ہے۔
وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ
الْجِبَالَ طُوْلًا[۱] ؕ یا جبال سے مراد طبقہ اعلیٰ اولیاء اللہ ہے جنکو حضرت
قدس سرہٗ کے جلال کے مقابلہ میں کوئی نسبت نہیں ؎

---

۱ تو زمین پر اکڑ کر نہ چل کیونکہ نہ تو زمین کو پھاڑ دے گا۔ اور نہ درازی میں پہاڑوں کو پہنچ جائیگا
پ ۱۵ ع ۴



(۱۴)

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ نَارٍ
لَخَمِدَتْ وَانْطَفَتْ مِنْ سِرِّ حَالِیْ

القا اور سر کی تشریح اشعار ماسبق میں ہو چکی ہے۔ فَوْقَ اوپر۔ ضد تحت۔ نَارٌ آتش
لَخَمِدَتْ۔ لام تاکید جواب پر واقع ہوا۔ خَمِدَتْ۔ صیغہ ماضی معروف ضرورت
شعری کے لحاظ سے میم ساکن پڑھنا جائز ہے۔ خُمُوْدٌ۔ مصدر آگ کا بجھ جانا۔ یا
آگ کی گرمی کا کم ہو جانا۔ یعنی شعلے بیٹھ جائیں اور چنگاریاں باقی رہیں۔ محاورہ میں
آتا ہو خَمِدَ الْحُمّٰی۔ بخار کی تیزی دور ہو گئی۔ اِنْطِفَاءٌ و طُفُوْءٌ۔ آگ کا گل ہو جانا۔
باب انفعال کے استعمال سے یہ مقصود ہے کہ آگ کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔
حَالٌ۔ صِفَةُ الشَّيْءِ یُقَالُ حَالٌ حَسَنٌ وَحَسَنَةٌ یُذَکَّرُ وَیُؤَنَّثُ وَقَدْ یُؤَنَّثُ
بِالتَّاءِ فَیُقَالُ حَالَةٌ[1] حال لغت میں زمانہ ماضی کی انتہا اور زمانہ مستقبل کی ابتداء ہے
ترجمہ۔ اگر میں اپنی طاقت خداداد کو آگ پر استعمال کروں۔ تو آگ اس کیفیت
جمال الٰہی سے جو میرے دل میں ہے بجھ جائے۔ اور اس کا نام و نشان نہ رہے
تشریح۔ اہل تصوف کے نزدیک حال سے مراد فیضان نور الٰہی ہے جو عنایات
خداوندی سے بغیر کوشش ولی اللہ کے دل پر شعاع آفتاب کی طرح وارد ہوتا ہے۔
پھر جب ولی رفتہ رفتہ اپنے دل میں ریاضت اور تصور سے اس نور الٰہی کی تصویر کو
ہمیشہ کیلئے قائم کر لیتا ہے۔ اور وہ اس کے دل کا ایک جزو ہو جاتی ہے تو اس درجہ کا نام
مقام ہے۔ الغرض نور معرفت الٰہی کا ابتدائی فیضان جو دل کو روشن کرتا ہی حال ہے۔

[1] حال چیز کی صفت کا نام ہو کہتے ہیں حَالٌ حَسَنٌ حَسَنَةٌ۔ مذکر و مؤنث مستعمل ہوتا ہو اور کبھی بعد میں تا تانیث بڑھا کر حالۃ کہتے ہیں۔

اور جب انسان اس نور کو اپنے دل میں مستقل طور پر قائم کر لیتا ہے۔ تو پھر اس کا نام مقام ہے
پہلے مصرع میں لفظ سر کو اپنی ذات کی طرف اور دوسرے میں اپنے حال کی طرف منسوب
کیا گیا ہے۔ اس میں یہ نکتہ ہے کہ سری میں اس قدر زور نہیں جو سر حالی میں ہے
کیونکہ حال فیضان الٰہی کا ایک درجہ ہے۔ اور جب سر جو ایک طاقت موہوبہ الٰہی ہے۔
حال کی طرف منسوب ہو تو اس میں سر کی عظمت اور وقعت کا اظہار ہوتا ہے۔
قاعدہ ہے کہ ہمیشہ مضاف کی تحقیر اور تعظیم مضاف الیہ سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ غلام
اور بادشاہ کے حکم میں فرق ہے حضرت قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر میں اپنی
طاقت کو آگ پر ڈالوں تو میری طاقت (طاقت بھی وہ جو درجہ حال کے مطابق
خداوند تعالیٰ نے عنایت فرمائی ہے) فوراً آگ کو سرد کر دے۔ اور ایسی نابود ہو کہ اسکا
نام و نشان باقی نہ رہے۔ ابو مسلم خولانی تابعی کو مسیلمہ کذاب نے خندق آتش میں
ڈالا تھا۔ اور آگ بجھ گئی تھی۔ امیر المومنین عمر بن الخطاب نے اس کرامت کے ظہور پر الحمد للہ پڑھا
اور فرمایا کہ درجہ افراد امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام مدارج انبیاء کے مساوی ہو
یہ صحاح ستہ میں مذکور ہے۔ اس میں یہ نکتہ ہے کہ حضرت کی طاقت ابتدائی
رسو حال ہی سے آگ بجھ جاتی ہے اور سر مقام یعنی انتہائی طاقت سے کام
لینے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ آگ کے سرد ہونے کا ذکر قرآن شریف میں ہے
قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ[1] یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شعر میں نار سے
مراد عشق ہو۔ اور حضرت کا مطلب یہ ہو کہ اگر وہ لوگ جو ابتدائے عشق میں سرگشتہ
و سراسیمہ ہو جاتے ہیں۔ آئندہ مدارج تک ترقی نہیں کر سکتے۔ اور کسی کامل کی

[1] ہم نے کہا کہ اے آگ، ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی ہو جا کہ ان کو کسی طرح کی ایذا نہ پہنچے پ ۱۷-ع ۶

سنگیری کے محتاج ہوتے ہیں۔ اگر میں ایسے عشاق کے دل پر اثر ڈالوں تو وہ آگ (جس نے ان کی ترقی کو سلب کر رکھا ہے) سرد ہو جائے اور وہ اس قابل ہو جائیں کہ اپنے منازل کو طے کر سکیں جس طرح جسمانی ترقی کے لئے عناصر اربعہ کا اعتدال ضروری ہے۔ اسی طرح طالب معرفت کے لئے بھی عناصر مطلوبہ کا اعتدال لازمی ہے اگر طالب معرفت پر خاصیت عنصر غالب آجائے تو اس کی ترقی رک جاتی ہے اور ایسی حالت میں وہ مرشد کامل کا محتاج ہوتا ہے۔ یا نار سے مراد شیطان ہے۔ قرآن مجید میں آیا ہے خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ لہ معنی یہ ہوئے۔ کہ اگر میں شہاب ثاقب توحید الٰہی کو شیطان پر پھینکوں۔ تو بالکل نیست و نابود ہو جائے۔ یا نار سے سرکش منکر مراد ہیں یعنی اگر حضرت اپنی طاقت خداداد کو منکروں اور سرکشوں کے مقابلہ میں صرف کریں تو ان کی ہستی صفحۂ دنیا سے محو ہو جائے یا آگ سے مراد دوزخ کی آگ اور سر سے مراد اسم اعظم ہے اور مطلب یہ کہ اگر حضرت اسم اعظم پڑھ کر دوزخ کی آگ پر پھونکیں تو وہ معدوم ہو جائے۔ اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ان تمام افعال کو حضرت قدس سرہٗ نے خدا کی قدرت کے ساتھ وابستہ فرمایا ہے۔ اور اپنا کوئی دخل ظاہر نہیں کیا۔ یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ آئندہ شعر میں کلمہ بِقُدْرَةِ الْمَوْلٰى تَعَالٰى وارد ہے۔ اس کو ہر ایک فعل کے متعلق سمجھنا چاہیئے۔ مزید تشریح شعر مذکور میں کی جائے گی۔

اس شعر میں حقیقت ابراہیمی کا ظہور ہے۔ گویا ظل نبوت ابراہیمی کا دعوی کیا گیا ہے جس پر آیت قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ لہ دلالت

لہ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس (آدم) کو کیچڑ سے۔

کرتی ہے۔ شان نزول یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے کفار کو دلائل سے اور یہ کہکر اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لہ عاجز کر دیا۔ تو سب نے متفق ہو کر مشورہ کیا۔ کہ حضرت کو آگ میں ڈال کر جلا دیا جائے۔ تاکہ ان کی ملامت سے نجات پائیں۔ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔ کہ آگ میں جلانے کا مشورہ دینے والا ایک کرد تھا جس کا نام ہیبون تھا۔ جب نمرود اور اس کی قوم نے حضرت ابراہیمؑ کو جلانے کا ارادہ کیا۔ تو حضرت کو ایک مکان میں قید کر دیا۔ اور لکڑیاں جمع کر کے چاروں طرف سے آگ لگا دی۔ اس کی گرمی اس قدر تیز تھی کہ اگر کوئی جانور دور سے بھی گزرتا تو جھلس جاتا۔

اس حالت میں اس فرشتہ نے جو دریاؤں پر مقرر ہے۔ حاضر ہو کر حضرت ابراہیمؑ سے عرض کیا۔ کہ اگر حکم ہو۔ تو پانی سے آگ بجھا دوں۔ پھر ہوا کے موکل نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو ہوا سے آگ کو معدوم کر دوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دعا مانگی۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْوَاحِدُ فِی السَّمَاءِ وَفِی الْاَرْضِ لَیْسَ فِی الْاَرْضِ مَنْ یَّعْبُدُكَ غَیْرِیْ لہ جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا۔ تو جبرئیل امین نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ خدا سے دعا مانگیئے۔ آپ نے فرمایا کہ میری حالت کو وہ خوب جانتا ہے۔ هُوَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ لہ۔ حدیث میں وارد ہے کہ اسی دعا سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ سے نجات پائی۔

لہ اُف ہے تیرا اور ان چیزوں پر جنکو تم خدا کے سوا پوجتے ہو لہ اے اللہ تو آسمانوں اور زمینوں میں اکیلا ہے۔ زمین پر تیری عبادت تیرے سوا کوئی نہیں کرتا۔ لہ۔ وہ ذات میرے لئے کافی ہے اور وہ میرا اچھا وکیل ہے



(۱۵) وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ مَیْتٍ
لَقَامَ بِقُدْرَۃِ الْمَوْلٰی تَعَالٰی

اِلْقَا۔ سِرّ۔ فَوْقَ۔ کے معنی بیان ہو چکے ہیں۔ مَیْت۔ مردہ مخفف میت۔ دراصل مَیْوِتٌ بروزن فَیْعِلٌ تھا۔ واو یا ہو کر مدغم ہوئی۔ میت بالتخفیف و بالتشدید دونو طرح قرآن شریف میں آیا ہے۔ اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ ۝ اس میں میت بالتخفیف ہے۔ اور اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ ۝ میں بالتشدید ہے ویسے بھی بعض الفاظ مشدد کو مخفف پڑھا جاتا ہے۔ جیسا کہ ضیق کو آیت لَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ ۝ میں بالتخفیف پڑھتے ہیں۔ ایسا ہی لَیِّنٌ کو لَیْنٌ۔ هَیِّنٌ کو هَیْنٌ سَیِّدٌ کو سَیْد۔ نَیِّفٌ کو نَیْفٌ پڑھنا جائز ہے۔ بعض نے میت بالتخفیف اور مَیِّت بالتشدید میں یہ فرق کیا ہے۔ کہ مَیْت اس کو کہتے ہیں جو مر چکا ہو۔ اور مَیِّت وہ ہے جو مرنے والا ہو۔ اور ابھی مرا نہ ہو۔ قَامَ۔ فعل ماضی معروف۔ قِیَام مصدر۔ کھڑا ہونا۔ قُدْرَت۔ توانستن۔ توانائی۔ کسی چیز پر قابو پانا۔ اور اختیار کامل رکھنا۔ محاورہ میں ہے۔ قَدَرْتُ عَلَی الشَّیْءِ قَوِیْتُ عَلَیْهِ وَتَمَكَّنْتُ مِنْهُ وَالْاِسْمُ اَلْقُدْرَۃُ۔ اسم فاعل اس سے قادر قدیر آتا ہے وَالشَّیْءُ مقدور علیہ۔ جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا الی آخر الآیۃ اور وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ خدا قادر و قدیر ہے جس چیز کو پیدا کرتا ہے۔ وہ مقدور علیہ اور اس کا فعل قدرت ہے۔ اَلْمَوْلٰی (کی تشریح شعر دوم میں ہو چکی ہے) اصل میں

ـه کیا ایک شخص جو پہلے مردہ تھا۔ پھر ہم نے اس میں جان ڈال دی۔ اور اس کو ایک نور عطا فرمایا پ ۸ ع ۳
ـه تم بھی مر جاؤ گے۔ اور یہ بھی مر جائیں گے۔ پ ۲۳ س زمر

صیغہ مفعول مَوْلُوْیٌ تھا۔ واو یا میں مدغم ہوئی مَوْلِیٌّ ہوا۔ اور پھر تخفیف سے اس کو مَوْلٰی پڑھا گیا۔ جیسا کہ مَعْنِیٌّ کو معنی پڑھا جاتا ہے۔ تَعَالٰی اصل میں تعالی بروزن تَفَاعَلَ صیغہ ماضی ہے۔ یعنی تعالیٰ شانہٗ یہ جملہ المولی کا بتقدیر قد حال ہے۔ اس پر بھی یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ اَلْمَوْلٰی موصوف۔ تعالیٰ اس کی صفت ہے موصوف معرف باللام کی صفت جملہ واقع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جملہ نکرہ کے حکم میں ہے اور نکرہ معرفہ کی صفت نہیں ہو سکتا۔ تعالیٰ کو صفت قرار دینا غلط ہے۔ یہ اعتراض درست نہیں۔ دراصل تعالیٰ جملہ حالیہ ہے۔ یا تعالیٰ جملہ مستانفہ ثنائیہ ہے۔ یعنی خدا کی تعریف و تعظیم کے لئے۔ یا یہ جملہ الگ ہے۔ جیسے قال اللہ تعالیٰ عز و جل کہتے ہیں مراد اس سے تعالیٰ اسمہٗ و عز برہانہٗ و جل سلطانہٗ ہے دوسرا اعتراض یہ ہے کہ تعالیٰ کو تعالیٰ بکسر لام کیوں پڑھا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تعالیٰ اصل میں تَعَالَیَ تھا۔ بروئے قاعدہ یا کو الف سے بدلنا چاہیئے تھا۔ مگر ضرورت شعری کے لئے یا بحال رہی۔ اور اس کے ماقبل کو مناسبت کے لئے مکسور پڑھا گیا۔ جیسا کہ احمد غیر منصرف کو برعایت قافیہ باحمدٍ بکسر پڑھا گیا ہے۔ شرح ملا میں اس کی نظیر میں شعر ذیل ہے۔

بَشِیْرٍ نَذِیْرٍ هَاشِمِیٍّ مُكَرَّمٍ ✦ عَطُوْفٍ رَءُوْفٍ مَنْ یُّسَمّٰی بِاَحْمَدٍ

ترجمہ۔ اگر میں اپنی طاقتِ خداداد کو مردہ پر ڈالوں تو وہ فوراً خدائے تعالیٰ کی قدرت سے اٹھ کھڑا ہو۔

تشریح۔ کلام اللہ میں ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے عرض کیا۔

ـه حضور جن کا نام احمد ہو۔ خوشخبری دینے والے۔ دوزخ سے ڈرانے والے۔ معزز۔ مہربان تحقیق ہاشمی ہیں

رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی۔ خدا نے فرمایا۔ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۔ حضرت ابراہیم نے عرض کیا
بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ۔ اس آیت سے ظاہر ہے۔ کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی
زبان اور ہاتھ سے مختلف پرندے کہ جنکا گوشت قیمہ کر کے ملا دیا گیا تھا زندہ کر دیا۔ حضرت
عیسےٰؑ کے متعلق کلام اللہ میں ہے۔ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ پس مردوں کا زندہ کرنا ممکنات سے ہے۔ جو لوگ کلام اللہ پر ایمان
رکھتے ہیں۔ اُن کے لئے تو یہ آیات حجتِ قاطعہ ہیں۔ مردوں بھی ہم ہمیشہ دیکھتے ہیں
کہ ہزاروں جانور جو بارش سے پہلے نیست و نابود ہوتے ہیں۔ بارش کے ہوتے ہی
پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کے واقعات سے انکار کرنا بدیہیات کا انکار ہے۔
یا میت سے مراد مردہ دل اور منکر شخص ہے۔ حضرت فرماتے ہیں۔ اگر میں اپنی توجہ کو
منکروں اور مردہ دلوں پر ڈالوں۔ تو وہ راہ ہدایت پر آجائیں۔ یا میت سے مراد
وہ روحیں ہیں۔ جو شہود کی روشنی سے محجوب ہیں۔ یا وہ سالک جو رتبہ سے گرایا گیا ہو۔
حضرت کا اشارہ ہے کہ اگر میں اپنی طاقت کو ارواحِ محجوبین اور سالکین مسلوب پر وارد کروں تو ان کی
آنکھیں اور انکے مدارج بحال ہو جائیں۔ اس شعر میں ظلِ نبوت ابراہیمی و عیسوی کے اظہار کا دعویٰ ہے
اور مقصود یہ ہے کہ جو کچھ ظہور میں آتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے۔ کیونکہ ولی اللہ جب حبیب تعالےٰ
کے ساتھ وصالِ حقیقی حاصل کرتا ہے۔ تو اس کا اپنا ارادہ۔ اختیار۔ طاقت زائل ہو جاتی ہے
اور سوائے اختیار، طاقت اور ارادہ خدا کے کچھ باقی نہیں رہتا۔ ان تمام اشعار کا مطلب
یہ ہے کہ حضرت کوئی اپنا اختیار، ارادہ اور قدرت نہیں رکھتے۔ جو کچھ ظہور میں آتا ہے
وہ طاقتِ خداداد کا نتیجہ ہے۔ اور آپکا دعویٰ بغرض اظہارِ قدرت باری عزاسمہ ہے۔
اور کلمہ بِقُدْرَةِ الْمَوْلٰی تَعَالٰی ۔ اس قسم کے تمام اشعار ما سبق سے متعلق ہے۔

(۱۶) وَمَا مِنْهَا شُهُوْرٌ اَوْ دُهُوْرٌ
تَمُرُّ وَتَنْقَضِیْ اِلَّا اَتَا لِیْ

(۱۷) وَتُخْبِرُنِیْ بِمَا یَاْتِیْ وَیَجْرِیْ
وَتُعْلِمُنِیْ فَاَقْصِرْ عَنْ جِدَالِیْ

واو استینافیہ ما۔ نافیہ۔ مِنْهَا میں ضمیر مجرور مبدل منہ اور شُهُوْرٍ وَدُهُوْرٍ
جو تَمُرُّ وَتَنْقَضِیْ کے موصوف ہیں بدل۔ اس توجیہ پر یہ اعتراض نہیں
ہو سکتا کہ شہور و دہور اسم ظاہر ہیں ضمیر سے بدل واقع نہیں ہوتے۔ اس کا جواب
کافیہ میں درج ہے۔
لَا یُبْدَلُ ظَاهِرٌ مِنْ مُضْمَرٍ بَدَلَ الْکُلِّ اِلَّا مِنَ الْغَائِبِ نَحْوُ ضَرَبْتُهٗ
زَیْدًا۔ اس مثال میں ضمیر غائب سے زیدًا بدل واقع ہوا ہے۔ شہور۔ دہور۔
کو مجرور اور مرفوع دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ مجرور کی توجیہ اوپر مذکور ہو چکی ہے۔
مرفوع کی یہ توجیہ ہے کہ یہ اسم ہے۔ مَا مُشَبَّهٌ بِلَیْسَ کا اور مِنْهَا صفت ہے
شہور۔ جمع شہر۔ مہینہ۔ پہلی رات کا چاند۔ دُهُوْر۔ جمع دہر۔ زمانہ۔ ابد فصول
سال۔ دنیا کا تمام عرصہ۔ وقت۔ تَمُرُّ۔ صیغہ مضارع۔ مرور۔ گزرنا۔ جانا۔
تَنْقَضِیْ۔ صیغہ مضارع۔ انقضا۔ تمام ہونا۔ ختم ہونا۔ ہر دو کا فاعل ضمیر مستتر ہے
جو شہور و دہور کی طرف راجع ہے۔ اِلَّا حرف استثنا۔ اَتٰی صیغہ ماضی

ما تبیان مصدر مجرد۔ اَنَا - لِیَ مرکب ہے لام اور یائے متکلم سے۔ لام اختصاص یا انتفاع کے لئے ہے۔ تُخْبِرُنِیْ - تُخْبِرُ۔ مضارع۔ اِخْبَارٌ۔ مصدر (خبر دینا) مَا۔ اسم موصول مراد امر واقع۔ یَأْتِیْ وَیَجْرِیْ۔ فعل مضارع بصیغہ واحد مذکر غائب۔ فاعل کا ضمیر (مَا کی طرف راجع ہے) یعنی جو کچھ ظہور میں آتا ہے۔ اور جو ماجرا گزرتا ہے۔ تُعْلِمُنِیْ۔ فعل مضارع فاعل اِن کا ضمیر راجع بسوئے شہور و دہور اِعْلَامٌ۔ خبر دینا۔ فَاقْصِرْ۔ فائے فصیحہ۔ اَقْصِرْ صیغۂ امر۔ اِقْصَار۔ روکنا یعنی۔ اَقْصِرْ نَفْسَکَ۔ جِدَال جنگ وخصومت بحث ومناظرہ۔ باب مفاعلہ کی مصدر ہے

ترجمہ مہینے اور زمانے جو گذر چکے ہیں یا گزر رہے ہیں۔ بلاشک میرے پاس حاضر ہوتے ہیں اور واقعات ماضیہ اور آئندہ کی مجھے اطلاع دیتے ہیں (منکرو) کج بحثی چھوڑ دو۔

تشریح - جب خدا تعالے نے مجھ پر یہ عنایت کی ہے کہ حالات گزشتہ اور آئندہ کا مجھ کو علم عطا کیا ہے۔ تو منکروں کو گنجائش بحث نہیں۔ اس میں ظل نبوت محمدیہ کا دعویٰ ہے۔ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو واقعات گزشتہ مثلاً واقعہ اصحاب کہف وحالات یوسف علیہ السلام اور اخبار بنی اسرائیل وغیرہ سے مطلع فرمایا ہے اور آئندہ کے واقعات سے جن کی صداقت یوماً فیوماً ہو رہی ہے اطلاع دی ہے۔

ان شعروں پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ شہور و دہور جمع ہے۔ اس کی طرف ضمیر مؤنث راجع ہوتی ہے جیسا کہ منہا اور تمر و تنقضی سے ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ اَتٰی میں ضمیر فاعل مذکر ہے۔ اور یہ درست نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جمع کی طرف مفرد کی ضمیر بتاویل کُلٌّ واحد راجع ہو سکتی ہے۔ یعنی کُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشُّهُوْرِ وَالدُّهُوْرِ اَتَانِیْ۔ اس میں ایک یہ لطیف نکتہ ہے کہ ہر ایک مہینہ اور ہر ایک زمانہ فرداً فرداً

حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔

دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اَتَانِیْ محاورہ عرب میں نہیں آیا۔ بلکہ اَتَاہُ یا اَتَانِیْ آیا ہے یعنی اَتٰی کا صلہ لام نہیں آتا۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یہاں تضمین ہے۔ اصل عبارت یوں ہے۔ اَتٰی مُنْقَادًا لِیْ۔ یعنی مہینے اور زمانے میری اطاعت کرتے ہوئے آتے ہیں۔

یا اس شعر میں ظل محمدی وعیسوی وغیرہ کا دعویٰ ہے۔ قرآن وانجیل میں کئی پیشین گوئیاں ہیں۔ جو پوری ہوئیں۔ اولیاء اللہ اور انبیا کو خدا تعالے غیب پر مطلع کرتا ہے۔ اور وہ آئندہ زمانہ کے حالات بیان کرتے ہیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے اس باب میں ایک عجیب نکتہ لکھا ہے کہ بعض دفعہ جو پیش گوئی پوری نہیں ہوتی۔ اس کی خاص وجہ ہے۔ کہ بعض امور کا وقوع مشروط ومعلق ہوتا ہے۔ اور ولی اللہ کی نظر اس شرط وتعلیق پر نہیں پڑتی وہ مطلقاً پیش گوئی کر دیتا ہے۔ کہ ایسا ہوگا۔ مگر چونکہ شرط پائی نہیں جاتی۔ اس لئے وہ امر واقع نہیں ہوتا۔ پس بعض پیشین گوئی کا ظہور میں نہ آنا نبوت اور ولایت کے شان میں نقص نہیں۔



(۱۸)

مُرِیْدِیْ هِمْ وَطِبْ وَاشْطَحْ وَغَنِّ
وَافْعَلْ مَا تَشَا فَالْاِسْمُ عَالٖ

مُرِیْدِیْ - کی شرح شعر آئندہ میں درج ہے۔ هِمْ - امر هَامَ یَهِیْمُ سے۔ هَیَمَانٌ - هُیُوْمٌ - سرگشتگی - عاشق ہونا - مستہام - سرگشتہ کا مادہ بھی هَیْم ہے۔ طِبْ بصیغہ امر حاضر - طاب یطیب سے - طِیْبٌ طِیْبَةٌ خوشبو - پاکیزگی - طَیِّب - پاک و حلال اِشْطَحْ صیغہ امر - محاورہ عرب میں ہے - شَطَحَ الْنَّهْرُ مَاءَهٗ - دریا نے سیلاب نکالا شَطَحَ الْاِنَاءُ مَاءَهٗ - جب برتن کو اس قدر پُر کیا جائے کہ اس سے پانی گرنے لگے۔ غَنِّ - بصیغہ امر حاضر مذکر - تغنیہ بروزن تفعلہ مصدر تفعیل گانا - خوش ہونا - اسکے آخر میں یا اشباع کسرہ سے پیدا ہوئی ہے جیسا کہ عنترہ اپنے ایک قصیدہ میں کہتا ہے

فَاَعْصِیْ مَقَالَتَهٗ وَلَا تَحْفِلْ بِهَا ۔ وَاَقْدِمْ اِذَا حَقَّ اللِّقَا فِی الْاَوَّلِ

اِفْعَلْ - بصیغہ امر حاضر (کام کر) ہمزہ وصل کو ضرورت شعری کے لئے قطعی پڑھا گیا ہے تَشَا - الف ممدودہ کو ضرورت شعری کے لئے مقصورہ پڑھا گیا - جیسا کہ عنترہ کے شعر میں اَللِّقَا ممدودہ کو مقصورہ پڑھا گیا ہے - مشیت - خواستن - اسم - نام عَالٍ - عالی - بلند - بلندی بلند ہونا - غالب ہونا - الف لام عوض مضاف الیہ - اصل میں فَاِسْمِیْ عَالٍ تھا - یعنی میرا نام بلند تھا۔

ترجمہ (۱) میرے مرید! سرشار عشق ہو - اور خوش رہ - اور جو چاہے کہ دے

سلہ عنترہ اپنے آپ یا مخاطب کو کہتا ہے کہ بزدل جب تجھے لڑائی سے منع کرے! تو اس کی بات نہ مان - اور اس کی پرواہ نہ کر - اور جب لڑائی چھڑ گئی ہو - تو پہلی صفوں میں آجا۔

اور خوشی کا گیت گا - اور جو چاہے کر میرا نام بہت بلند ہے یا یہ کہ (۲) اے میرے مرید! عرفان - ہیمان - طیب - تشطح - غنا کو طے کر میرا نام تعلیم معرفت کے باعث مشہور ہے۔ میں تجھے اِن منازل کے طے کرنے میں مدد دے سکتا ہوں یعنی اے میرے مرید - ارادت صادق اختیار کر اور خوش ہو - اور اسرار حقیقت کے اظہار میں کسی کی پروا نہ کر کوئی اس راہ میں تیرا مزاحم نہ ہوگا - تو جو چاہے کر دے دَرِ حقیقت کے اندر رکھا میرا نام بہت بلند ہے میں تیرا محافظ ہوں۔

تشریح - حضرت شیخ قدس سرہ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ نے جو فرمایا ہے کہ مُرِیْدِیْ لَا تَخَفْ کذا او کذا - آپ مرید سے کیا مراد رکھتے ہیں - انہوں نے فرمایا کہ جو میری زندگی یا وفات کے بعد مجھ سے محبت مخلصانہ اور ارادت معتقدانہ رکھے - خاص مریدوں سے ہو یا عام سے - پاس ہو یا دُور حضرت نے اپنے مریدوں کے حق میں یہ بھی فرمایا ہے - اِنْ لَمْ یَکُنْ مُرِیْدِیْ جَیِّدًا فَاَنَا جَیِّدٌ - یعنی اگر میرا مرید جید نہ ہو تو میں جید ہوں - اور اگر میرا مرید صاف دل نہیں یا آلودہ گناہ ہے تو میں اُس کو جید اور صاف دل بنا دیتا ہوں جس طرح دریا کی موج ناپاک چیزوں کو دھو ڈالتی ہے - اسی طرح جو میرا مرید ہو - میں اُس کو پاک اور صاف کر دیتا ہوں۔

یہ بھی فرمایا - اِنِّیْ لِمَنْ اَنَا دَلِیْ ضَامِنٌ وَاِنْ کَانَ عَلٰی سِیْرَۃٍ غَیْرِ صَالِحَۃٍ - میں اس شخص کا (جو مجھ سے ارادت رکھے) ضامن ہوں - اگرچہ اس کے اخلاق ناشائستہ ہوں - ارادت کے ساتھ اُسکے اخلاق ذمیمہ مبدل باخلاق حسنہ ہو جاتے ہیں - مگر ارادت کی شرط یہ ہے - کہ احکام شرعیہ کی متابعت شرک - کفر - معاصی سے کنارہ کشی ہو - جو شخص احکام شرعیہ کا تابع نہیں - وہ حضرت کا مرید نہیں ہو سکتا - تاوقتیکہ تائب نہ ہو۔

فاذنتم غالب سے یا حضرت ذوالجلال والاکرام کی ذات مقدس یا حضور رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود یا حضرت محبوب سبحانی قدس اللہ سرہ العزیز کا اسم مبارک مراد ہو جس کی تعظیم واجب ہے کیونکہ جو الفاظ مقدس اور معظم معنی کو ادا کریں وہ الفاظ بھی قابل تعظیم ہیں اسی دلیل سے قرآن مجید کا ادب فرض ہے۔ وہ لوگ جو قرآن شریف کی تعظیم نہیں کرتے۔ (اور کہتے ہیں کہ یہ نقوش معانی کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ بذاتہٖ کوئی فضیلت نہیں رکھتے) سخت گمراہی میں ہیں۔ بشر حافیؒ کی طرف ایک قصہ منسوب کیا جاتا ہے کہ ابتداء عمر میں عیاش تھے۔ ایک دن شراب پی کر مستی کی حالت میں جا رہے تھے کہ ایک کاغذ کا پرزہ دیکھا۔ اُس پر خدا کا نام لکھا ہوا تھا۔ ادب سے اٹھا کر آنکھوں سے لگایا۔ اور نہایت حفاظت سے پاک کپڑے میں لپیٹ لیا۔ اُس زمانہ کے کسی ولی کو الہام ہوا کہ خداوند تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جس طرح بشر حافی نے ہمارے نام کی تعظیم کی ہے دنیا اس کے نام کی عزت کریگی۔ پس جو رتبہ بشر حافی کا ہے۔ اُس سے ہر شخص آگاہ ہے۔ ایک اور روایت ہے کہ سلطان ناصر الدین کا ایک خدمتگار خواجہ محمد تھا۔ بادشاہ ہمیشہ اس کو پورے نام سے پکارتے تھے۔ ایک دن صرف خواجہ کہکر پکارا۔ غلام کو تشویش ہوئی۔ کہ شاید ناراض ہیں غلام نے موقعہ پاکر عرض کیا۔ کہ حضور نے مجھے فلاں روز آدھے نام سے یاد فرمایا یا خانہ زاد سے کوئی خطا سرزد ہوئی تھی؟ بادشاہ نے کہا کہ اُس وقت چونکہ میں بے وضو تھا۔ اس لئے پاس ادب سے خواجہ کے ساتھ محمدؐ کا پاک اور مقدس نام نہیں لیا۔

بزرگوں کی تعظیم اور کتاب الٰہی اور کتب دینیہ کی عزت کرنا شیوہ اہل ادب ہے
جو اس کی پروا نہیں کرتے۔ وہ مستوجب ذلت ہوتے ہیں ؎

ادب تاجیست از لطف الٰہی — بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

اس شعر میں هیمان۔ طیب۔ شطح و غنا مذکور ہے۔ یہ تمام منازل و مدارج معرفت ہیں۔ هیمان ابتدائی مرتبہ محبت کا ہے۔ اور یہ منزل حاصل نہیں ہوتی جبتک تورع۔ زہد۔ تقویٰ اور متابعت شریعت غرا حاصل نہ ہو۔ چونکہ اس منزل میں اشتیاق اور ارادت غالب ہوتی ہے۔ اور سکون و صبر جاتا رہتا ہے۔ اس لئے جنون و سکر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ هیمان کے بعد جب جنون اور بے قراری جاتی رہتی ہے۔ تو طیب یعنی اطمینان و خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اُس وقت سالک کو ایک قسم کا استقلال عطا کیا جاتا ہے۔ اور سالک مشاہدہ محبوب کا درجہ پاکر مطمئن ہوتا ہے۔ اس طمانیت کا نتیجہ سرور ہے۔ شطح اصطلاح تصوف میں ایسے کلمات سے مراد ہے جن سے ایک گونہ رعونت اور فخر و مباہات کا اظہار ہو۔ سید شریف فرماتے ہیں۔ هُوَ مِنْ زَلَّاتِ الْمُحَقِّقِیْنَ فَاِنَّهٗ دَعْوٰی بِحَقٍّ یُفْصِحُ بِهَا الْعَارِفُ مِنْ غَیْرِ اِذْنِ اللّٰهِ بِطَرِیْقٍ یُشْعِرُ بِالنَّبَاهَةِ یعنی شطح محققین کی لغزشوں کا نام ہے۔ یہ وہ دعویٰ ہے جو عارف بغیر اذن خدا ظاہر کرے۔ اور اس سے بزرگی سمجھی جائے۔ یہ منزل طیب کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ استقلال اور اطمینان کے بعد سالک پرتو انوار الٰہی کو دیکھنے لگتا ہے اور جو کچھ تصرفات اس کو حاصل ہوتے ہیں وہ اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے۔ شطح کے بعد غنا کا رتبہ ہے۔ جب اُس پر پہنچتا ہے۔ تو اظہار دعویٰ سے بھی مستغنی ہو جاتا ہے۔ اور اس کی ذات ذات الٰہی میں فنا ہو جاتی ہے۔ هُوَ الْمَقْصُوْدُ لِذَاتِ الْاِنْسَانِ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں

کہ ان منازلِ معرفت میں تجھ کو نہ شیطان کا ڈر ہے۔ نہ کسی منکر یا دشمن کے حملہ کا اندیشہ۔ ظاہر بین و سطحی لوگ ان کیفیات کو توہمات اور تخیلات سمجھتے ہیں۔ اور ان کی تصدیق نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ وہ اس حلقہ میں داخل ہو کر امتحان نہ کر لیں۔ لیکن اس حقیقت کے تسلیم کرانے کے لئے حسی مثالیں موجود ہیں۔ جیس طرح کوئی عالم الٰہیات معمولی طالب العلم کو الٰہیات کے مسائل نہیں سمجھا سکتا جب تک کہ اس کو مبادی الٰہیات کی تعلیم نہ دے۔ اسی طرح ان منازل معرفت کا حال ہے۔ کیا جو طالب العلم الہیات یا علوم ریاضی سے ناواقف ہے۔ وہ انکار کر سکتا ہے۔ اور کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ سب توہمات و تخیلات ہیں۔ اور الٰہیات و ریاضیات کی کتابیں جن سے دنیا کی الماریاں پُر ہیں۔ دفتر بے معنی ہیں۔ کم سے کم اس کو یہ اقرار کرنا چاہئے۔ کہ جو کچھ ہے ایک حقیقت رکھتا ہے اگرچہ وہ اس سے واقف نہیں ہے۔ دلیل وہاں کارگر ہوتی ہے۔ جہاں سمجھنے کے لئے استعداد ہو۔ جس میں استعداد نہیں۔ اس کو کس طرح سمجھایا جائے۔ رُوحانی ترقیوں کا ثبوت جسمانی ترقیوں سے ہو سکتا ہے۔ ایک لڑکا ورزش کر کے فیل پیکر ہو جاتا ہے۔ اُس کا جسم اس قدر سخت ہوتا ہے۔ کہ اگر وہ پتھر سے ٹکرائے۔ تو اُس کو ضرر نہیں پہنچتا۔ وہ دس بیس آدمیوں کو کشتی میں گرا دیتا ہے۔ اُس کی غذا دس سیر یومیہ ہو جاتی ہے۔ وہ تہمتن اور رستم گستہم کا لقب حاصل کرتا ہے۔ اور اس کے مقابلہ کا کوئی پہلوان نظر نہیں آتا۔ دوسرا شخص مشق کرتے کرتے ایک من کا گولہ اوپر پھینکتا ہے۔ کبھی اس کو گردن پر۔ کبھی بازو پر۔ کبھی ران پر کبھی ہاتھ پر لیتا ہے

مداریوں کو دیکھو کس قدر حیرت انگیز کرتب کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ مشق سے ہوتا ہے جب جسم اس قدر ترقی کر سکتا ہے۔ جو کثیف ہے۔ تو کیا روح جو لطیف ہے اپنے منازل میں ترقی نہیں کر سکتی؟ حقیقت یہ ہے۔ کہ جسمانی کرتب ہم دیکھ سکتے ہیں۔ اور رُوحانی مدارج کے سمجھنے کی ہم میں استعداد نہیں اس منطقی دلیل کو تو تسلیم کرنا چاہئے کہ جو چیز ہماری سمجھ میں نہیں آتی اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ چیز فی نفسہٖ موجود نہیں۔ ریاضی میں دماغ لڑانے سے ایسے مسائل کا استخراج ہوتا ہے جس سے ایک عالم کو حیرت ہوتی ہے۔ غرض روحانی ترقی سے انکار کرنا اور تصوّف کو توہمات سے تشبیہ دینا سخت غلطی ہے

علامہ محی الدین ابن عربی نے وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ۝ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ روح چونکہ امر ہے اس لئے وہ محسوسات سے نہیں کہ ظاہر بین اس کو سمجھ سکیں۔ ظاہر بینوں کا ادراک حواس کے ذریعہ ہے۔ اور حواس صرف محسوسات کو پا سکتے ہیں۔ جواہر مجردہ کا ادراک حواس سے بالاتر ہو پس جب روح کی حقیقت کو ہی ہم نہیں سمجھ سکتے تو اُس کی ترقی فی المدارج پر کس طرح آگاہ ہو سکتے ہیں جو روح کی حقیقت پر متفرع ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ روح اور روحانی ترقی کو عقلی دلائل سے ہی ثابت کیا جائے۔ اس کے حصول کے لئے اس اصول کو اختیار کرنا چاہئے جو اُس کے لئے موضوع ہے کہ آئینہ دل کو زہد و تقوٰی سے مجلّٰی کیا جائے۔ تاکہ جواہر مجردہ کا عکس اُس میں جلوہ گر ہو۔

(۱۹)

مُرِيْدِىْ لَاتَخَفْ اَللّٰهُ رَبِّىْ
عَطَانِىْ رِفْعَةً نِلْتُ الْمُنٰى لِىْ

مُرِیْد۔ ارادت مند یائے متکلم منادی ہے۔ یا حرف ندا محذوف۔ قرآن شریف میں ہے۔ یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا[۱] لَاتَخَفْ فعل نہی۔ خَوْفٌ مصدر۔ ڈرنا اَللّٰهُ اسم ہے ذات مستجمع صفات کاملہ کا۔ اصل میں اَلْاِلٰهُ تھا ہمزہ گر گیا۔ لام میں لام ادغام ہوا۔ اللہ ہو گیا۔ بعض کے نزدیک اِلٰہٌ بروزن فعال بمعنی مفعول (معبود) ہے۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ اللہ میں کوئی تعلیل نہیں ہے۔ رب پروردگار۔ اسماء الٰہی سے ہے غیر اللہ پر اس کا اطلاق سوا اضافت اور الف لام کے نہیں ہوتا۔ مثلاً رب المال۔ صاحب المال۔ اَلرَّبُّ آقا۔ مخدوم بیضاوی میں رب بمعنی تربیت (رفتہ رفتہ چیز کو کمال تک پہنچانا) لکھا ہے۔ انہی معنوں میں خداوند تعالیٰ کا نام ہے۔ جو اپنی مخلوقات کی تربیت کرتا ہے۔ پس رب مصدر بمعنی اسم فاعل مبالغہ کے لئے بمثل عدل بمعنی عادل مستعمل ہے۔ اور بعض کے نزدیک رَبَّ یَرُبُّ سے مشتق ہے۔ بعض نے اس کو اسم اعظم لکھا ہے۔ اس کا قلب بَرٌّ ہے۔ جو خدا کا نام ہے۔ اَللّٰهُ رَبِّىْ جملہ معترضہ یا مستانفہ۔ عَطَانِىْ خبر بعد خبر صیغہ ماضی۔ عَطْو۔ گرفتن بدست۔ یُقَالُ عَطَوْتُ الشَّیْءَ اِذَا تَنَاوَلْتُهٗ بِالْیَدِ اس میں نکتہ یہ ہے۔ کہ بجائے اس کے کہ میں رفعت کی تلاش کرتا۔ رفعت نے خود مجھے حاصل کیا۔ میں رِفْعَةً سے بالاتر تھا۔ اس صورت میں رِفْعَةٌ فاعل

[۱] اے یوسف اس بات کو جانے دے پ ۱۲ ع ۱۳

عطانی ہوگا۔ چنانچہ متنبی کا شعر ہے۔

وَقَالُوْا هَلْ يُبَلِّغُكَ الثُّرَيَّا ۔ فَقُلْتُ نَعَمْ اِذَا شِئْتُ السَّفَالَا[۱]

رِفْعَةً بالکسر مصدر یا حاصل مصدر ہے۔ بمعنی بلند ہونا و بلندی۔ فاعل عَطَانِىْ نِلْتُ۔ بوزن خِفْتُ فعل ماضی صیغہ واحد متکلم۔ نَیْل مصدر۔ پانا۔ حاصل کرنا۔ پہنچنا۔ اَلْمُنٰى جمع مُنْيَةٌ آرزو و خواہش۔ لِىْ میں لام اختصاص اور یائے متکلم ہے یعنی وہ آرزوئیں جو میرے لئے مختص تھیں۔

یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ عَطْو اور اِعْطَا میں فرق ہے یا عَطَانِىْ دراصل اَعْطَانِىْ تھا۔ ہمزہ بوجہ ضرورت شعری بعد سقوط حرکت حذف ہوا۔ اس صورت میں رِفْعَةً منصوب مفعول ثانی اَعْطٰى کا ہوگا۔

ترجمہ۔ اے میرے مرید مت ڈر۔ خدا تعالےٰ مجھے کافی ہے اور رفعت مقام بجائے اس کے کہ میں اس کا طالب ہوتا۔ وہ خود میری تلاش میں تھی یا خدا نے مجھ کو وہ بلندی عطا کی جس سے میں اپنی مطلوبہ آرزوؤں پر فائز ہو گیا ہوں۔

تشریح۔ میری آرزوؤں میں سے یہ بھی ایک آرزو تھی کہ میں اپنے مریدوں کی ہر حالت میں امداد کروں جب خدا نے میری دعا کو درجۂ اجابت عطا فرما دیا۔ تو میرے مرید کو مشکلات اور تکالیف سے ہراساں نہ ہونا چاہئے۔ یا یہ مراد ہے کہ اے میرے مرید شیطان سے مت ڈر۔ میں ایسی بلندی پر فائز ہوں۔ کہ شیطان میرے مریدوں کو

[۱] لوگوں نے مجھے کہا کہ ممدوح تجھ کو ثریا (آسمان) پر پہنچا دے گا۔ میں نے جواب دیا۔ کہ ہاں اگر میں پستی کو چاہوں۔ یعنی ممدوح کے لئے آسمان تک پہنچانا حقیر امر ہے۔ وہ اس سے بھی بالا رتبہ پر پہنچا دیتا ہے۔ گویا آسمان کی بلندی ممدوح کی علو ہمتی اور وسعت سخا کے سامنے پستی کا حکم رکھتی ہے۔

گمراہ نہیں کرسکتا۔ ؎

چہ غم دیوارِ اُمت راکہ باشد چوں تو پشتیباں
چہ باک از موج بحر آں راکہ باشد نوح کشتیباں

اہل تصوف کے نزدیک مرید کی یہ تعریف ہے۔

مُرید آنست کہ منقطع شد بسوئے خدا از نظر و استبصار و مجرد گشت از ارادہا۔ زیراکہ مے داند کہ آنچہ در وجود مے آید بارادہ خدا است۔ نہ بارادہ غیر۔ پس ارادہ اش در ارادہ حق محو مے شود وے نخواہد مگر آنچہ خدا خواہد۔"

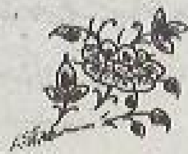
مرید وہ ہے جس نے ماسوی اللہ سے قطع نظر کرکے اپنے ارادوں کو ترک کیا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کے ارادہ سے ہوتا ہے۔ نہ کہ غیر سے۔ پس اس کا ارادہ خداوند تعالیٰ کے ارادہ میں محو ہو جاتا ہے۔ اور وہی چیز چاہتا ہے۔ جو خدا چاہتا ہے۔ اس کی مرضی خدا تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہو جاتی اور وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ کے طبقہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

یہ درجہ رضا و تسلیم کے درجہ سے بالاتر ہے ؎

دوست حاکم ہرچہ خواہد مے کند   کیست انسانے کہ آنجا دم زند

؎

یفعل اللہ مایشاء را خواندہ   پس چرا در وسوسہ در ماندہ



(۲۰)

طُبُوْلِیْ فِی السَّمَا وَالْاَرْضِ دُقَّتْ
وَشَآءُ وْسُ السَّعَادَۃِ قَدْ بَدَالِیْ

طُبُوْل جمع طبل جیسا اصول جمع اصل۔ ڈھول۔ نقارہ۔ اَلسَّمَاءُ۔ آسمان الف ممدودہ کو مقصورہ پڑھا گیا۔ اَرْض زمین۔ دُقَّتْ فعل ماضی مجہول دَقَّ الطَّبْلَ نقارہ پر چوٹ لگائی۔ شَآءُوْس نگہبان و نقیب۔ چاوش کا مُعرب ہے۔ بعض نے تشاوس (ترچھی نگاہ سے دیکھنا) سے مشتق لکھا ہے۔ اگرہم اشتقاق کو تسلیم بھی کرلیں تاہم یہاں بالکل مناسب نہیں ہے کیونکہ تشاوس سے مراد تکبر سے دیکھنا ہے۔ سَعَادَۃ نیک بختی ضد شقاوت۔ بَدَا صیغہ ماضی بَدْو۔ مصدر۔ ظاہر ہونا۔ محاورہ میں ہے بَدَاءَ لَهٗ فِی الْاَمْرِ ظَهَرَ لَهٗ مَا لَمْ یَظْهَرْ لَهٗ اَوَّلًا ۔ یہاں بھی ہمزہ الف ہوگیا ہے جیساکہ مَلَاذِیْ میں۔ نیز اشارہ ہے آیت ذیل کی طرف لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مراد یہ ہے کہ حضرت قدس سرہٗ اخلاق الٰہی سے کلیۃً متخلق ہیں۔ اور آپ کی ذات والاصفات میں مَنْ کَانَ لِلّٰهِ کَانَ اللّٰهُ لَهٗ کے انوار جلوہ گر ہیں۔

ترجمہ آسمان۔ زمین میں میرے نقارے بجتے ہیں۔ اور نقیب سعادت میرے لئے ظاہر ہورہے ہیں یعنی میرے جلو میں للکارتے جاتے ہیں۔

تشریح۔ فِی السَّمَاءِ سے مراد ارواح اور ارض سے مراد ابدان طُبُوْل سے مراد تصرفات ولایت یا مرتبہ علیا ہے یعنی میرا تصرف ارواح و ابدان مخلوقات میں ہے۔ یا میری رتبہ کو وہ جانتے ہیں یا آسمان سے مراد اولیاء اللہ کا طبقہ انتہائی۔ اور ارض سے مراد طبقہ ابتدائی

له اس پر کسی اور کی حقیقت ظاہر ہوگی جو پہلے ظاہر نہیں تھی سله زمین و آسمان میں جو کچھ ہے۔ وہ خدا ہی کے تصرف میں ہے۔
سله جو اللہ کا ہو رہے خدا اس کی امداد میں ہوتا ہے۔

یعنی طبقۂ انتہائی وابتدائی میں سعادت وقرب الٰہی جو مجھے حاصل ہے مسلم ہے یا شاوٗس سے مراد طبقۂ مریدین ہے جو اطراف و اکناف عالم میں حضرت شیخ قدس اللہ سرہٗ کے علوم معرفت کا درس دیتے اور لوگوں کو راہ ہدایت پر لاتے ہیں جیسا دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْبًا میں فرماتے ہیں۔ یا شاوٗس سے مراد تجلیات نبوی ہیں جو حضرت کی رہنمائی کرتی ہیں۔ یا جن کے طفیل حضرت کی شان و شوکت نمایاں ہوتی ہے۔ اس شعر سے ایک دلیل قائم کی گئی ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے تمام مخلوقات اسکے تابع ہے۔ اور اولیاء اللہ اس اشرف المخلوقات کی چشم حق بین ہیں جس میں انوار الٰہی کی تجلیات جلوہ گر ہیں۔ پس جب انسان درجۂ سعادت و صال الٰہی حاصل کرتا اور خدا کے احکام کے آگے گردن جھکاتا ہے۔ تو تمام دنیا وما فیہا اُس کی آستانِ دولت پر جبہ سائی کرتی ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے اس کیفیت کو ایک مثال میں واضح کیا ہے

حکایت

یکے دیدم از عرصۂ رودبار ۔۔۔ کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار
چناں ہول زاں حال بر من نشست ۔۔۔ کہ ترسیدنم پائے رفتن ببست
تبسم کناں دست بر لب گرفت ۔۔۔ کہ سعدی مدار آنچہ دیدی شگفت
تو ہم گردن از حکم داور مپیچ ۔۔۔ کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ
چو خسرو بفرمان داور بود ۔۔۔ خدایش نگہبان و یاور بود
محال است چوں دوست دارد ترا ۔۔۔ کہ در دست دشمن گزارد ترا
رہ این است رو از طریقت متاب ۔۔۔ بنہ گام و کامے کہ خواہی بیاب

(۲۱) بِلَادُ اللّٰہِ مُلْکِیْ تَحْتَ حُکْمِیْ
وَوَقْتِیْ قَبْلَ قَلْبِیْ قَدْ صَفَالِیْ

بِلَادٌ جمع بلد۔ شہر و زمین۔ مزید تشریح شعر آئندہ میں ہوگی۔ مُلْکٌ بالضم بادشاہی و بالفتح و الکسر ملوک تمام معانی اس جگہ چسپاں ہوسکتے ہیں۔ تَحْتَ زیر ظرف۔ حُکْمٌ فرمان۔ وَقْتٌ۔ زمانہ کا وہ حصہ جو کسی کام کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ اَوْقَاتٌ جمع۔ قَبْلَ۔ زمانہ گذشتہ نقیض بعد۔ صَفَا۔ ماضی۔ صَفْوٌ و صَفَاءٌ مصدر۔ کدورت سے پاک ہونا۔ روشنی۔ صَفِیٌّ۔ برگزیدہ۔ اسی سے مشتق ہے۔ کتب تصوف میں وقت کی یہ تعریف ہے۔ "وقت عبارت از حال آدمی است در زمان موجود و آنرا تعلق بماضی و مستقبل نیست"۔ کسی شاعر نے کہا ہے

آدمی را بچشم حال نگر ۔۔۔ واز خیال پری ودی بگزر

بعض حال قلب لطیفہ کی یہ تعریف کرتے ہیں۔ حال آنست کہ بدون تعمد و اجتلاب بر دل وارد گردد۔ واز شرط اوست کہ زائل شود و مثل آن در پئے او وارد شود و گاہے باقی ماند و مثل آں در عقب او نیز رسد پس ہر کرا مثل درعقب است قائل بدوام است و ہر کرا نیست قائل بعدم دوام اوست و گفتہ اند کہ حال تغیر اوصاف است بر بندہ را"

قلب لطیفۂ ربانی است کہ او را بدیں قلب جسمانی صنوبری الشکل کہ موضع در جانب چپ صدر باشد تعلق است و ہمیں لطیفہ حقیقت انسان است۔ وحکما آں را نفس ناطقہ و روح باطنہ و نفس حیوانیہ مرکبہ مے نامند و مدرک عالم از انسان مخاطب و معاتب از وے ہمیں دل است"۔ اِذَا صَلَحَ الْقَلْبُ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَ الْقَلْبُ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ۔

لہ جب دل تندرست ہوتا ہے تو تمام بدن تندرست ہوجاتا ہے اور جب دل بیمار ہوجاتا ہے تو تمام بدن بیمار ہوجاتا ہے۔

لطیفہ ہر اشارہ و دقیقۃ المعنی کہ در فہم لائق مبیگر دو دو عبارت رانے گنجد و گاہے اطلاق شئ در برابر نفس ناطقہ ے آید۔ اس شعر میں قلب سے (بوجہ اس کے کہ عضو رئیسہ ہے۔) تمام جسم مراد ہے۔ بطریق اِطْلَاقُ الْجُزْءِ عَلَى الْكُلِّ۔

ترجمہ۔ خدا کے تمام شہر میرے زیر نگیں ہیں۔ اور ان پر میری حکومت ہے اور میری روحانی حالت میرے جسم کے پیدا ہونے سے پہلے ہی برگزیدہ و مصفّٰی تھی۔

تشریح۔ جو کمال مجھے اس حالت میں حاصل ہے وہ حقیقت انسانی کے پیدا ہونے سے پہلے ہی عطا کیا گیا تھا جیسا کہ حدیث نبوی میں وارد ہے۔ كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَآءِ وَالطِّيْنِ[1]۔ اور حقیقت حال یہ ہے کہ کمالات بذاتہٖ ہر شخص کیواسطے خدا کے ارادہ اور تقدیر میں علی حسب استعداد مقدر و مختص کئے گئے ہیں۔ بِلَادُ اللّٰہِ سے مراد یا ظاہری مُلکِ خدا۔ یا اس سے مقصود اعلیٰ مراتب حقیقت و معرفت ہیں۔ حُکْمٌ سے مقصود ملکہ اور استعداد ہے۔ اور یہ تشبیہیں ظاہر حکومت کی صورت میں بیان کی گئی ہیں۔ جس طرح کہ بادشاہ کی نوبت بجتی ہے۔ اور تمام ملک پر اس کا حکم جاری ہوتا ہے اور نقیب آگے آگے دوڑتے ہیں۔ اسیطرح حضرت قدس اللہ سرہ العزیز کا روحانی جاہ و جلال ہے۔ یہ مراتب مجاہدہ اور عبادت سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور ان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ولی اللہ فانی ہو کر بقائے کلی یا بقائے حقیقی حاصل کرتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ جب تمام دنیا کے بادشاہ اور مشائخ میرے ارادت مند ہیں۔ تو گویا تمام ملک پر میری ہی بادشاہت ہے۔ اور یہ بادشاہت نہ صرف دنیا میں حاصل ہوئی۔ بلکہ پہلے سے ازل میں مقدر تھی ؂

[1] میں اس وقت سے نبی ہو چکا ہوں جس وقت آدم ابھی پانی اور کیچڑ میں پڑے تھے ؎

(۲۲) نَظَرْتُ اِلٰى بِلَادِ اللّٰهِ جَمْعًا
كَخَرْدَلَةٍ عَلٰى حُكْمِ اتِّصَالِ

نَظَرْتُ۔ صیغہ ماضی ضمیر متکلم۔ نَظَرَهٗ وَنَظَرَ اِلَيْهِ نَظْرًا وَّمَنْظَرًا وَّمَنْظِرَةً وَّنَظَرَانًا وَّتَنْظَارًا غور سے دیکھنا۔ **بِلَادٌ**۔ جمع بلد گاؤں یا شہر جیوان کے رہنے کی جگہ۔ خاک۔ زمین بیابان۔ يُقَالُ هٰذِهٖ بَلْدَتُنَا بلدہ مکہ معظمہ کو بھی کہتے ہیں۔ بِلَادُ اللّٰہِ ارض اللہ سے یہاں مراد ہفت اقلیم ہے۔ کَخَرْدَلَةٍ مضاف اس جگہ محذوف ہے۔ یعنی كَنَظَرِ الْخَرْدَلَةِ۔ یا عامل اس کا محذوف یعنی وَجَدْتُهَا كَخَرْدَلَةٍ۔ **حُکْمٌ**۔ فرمان دانش حکمت مراد اس جگہ حیثیت اور اعتبار ہے یعنی من حیث الاتصال۔ **اِتِّصَالٌ** مصدر۔ ملنا۔ پہنچنا۔ کام ملانا و جاری رہنا۔ حُکْمِ اتِّصَالٍ سے مراد ہیئت مجموعی ہے۔

ترجمہ۔ میں نے خدا کے تمام شہروں کو ملا کر دیکھا تو مجھے رائی کے برابر نظر آئے۔

تشریح۔ اس سے پہلے شعر بِلَادُ اللّٰهِ مُلْكِىْ تَحْتَ حُكْمِىْ سے شبہ ہوتا تھا کہ جب حضرت قدس سرہٗ سلطنت دنیا کے انتظام میں شاغل ہیں۔ تو پھر کس طرح آپکے تمام اوقات گرامی مجاہدہ میں صرف ہو سکتے ہیں۔ اس خیال کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگرچہ میں نعمت الٰہی کا شکر ادا کرتا ہوں کہ تمام دنیا کی مملکت میرے ماتحت ہے۔ لیکن اس مرتبہ اور عزت کے مقابلہ میں جو مجھ کو بارگاہ ایزدی میں حاصل ہے دنیا کی ظاہری سلطنت میری نگاہ میں رائی کے برابر ہے۔ یا یہ معنے ہیں کہ جو علم مجھ کو افلاک و مافیہا کا حاصل ہے اُس کے یا بعض ثوابت کے مقابلہ میں زمین کا جرم نسبۃً رائی کے برابر ہے۔ پس ایسی حقیر چیز کس طرح توجہ و مجاہدہ اور ریاضت سے ہٹا سکتی ہے علم ہیئت میں

جو حیرت انگیز مسائل دریافت کئے جا رہے ہیں۔ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کئی ثوابت ایسے بھی ہیں کہ ابتدائے آفرینش عالم سے تاحال زمین تک ان کی روشنی نہیں پہنچی اور بعض ثوابت اس وقت تک اپنے دائرہ گردش کو ایک بار بھی طے نہیں کر سکے۔ اَلْعَظْمَةُ لِلّٰهِ الْخَالِقِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِہٗ ؎

مہندس پیسے جو بدا ز رازِ شاں   نداند کہ چوں کردی آغازِ شاں

اس سے قیاس کر لینا چاہیئے کہ ایسے بڑے اجرام فلکی کے مقابلہ میں زمین کی کیا ہستی ہے۔ اس نسبت کو مدنظر رکھ کر جس سے عظمت و حقارت کے مقابلہ کا مفہوم فی الجملہ ظاہر ہو سکے۔ زمین کو رائی کے دانہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور لفظ جمعاً سے مراد یہ ہے۔ کہ ہیئت مجموعی تمام شہروں کو ملا کر دیکھا گیا۔ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالٖ سے یہ مراد ہے کہ ایک شہر کو دوسرے شہروں کے ساتھ یا ایک ولایت کو دوسری سے ملا کر جب دیکھا ہے۔ تو اُن کی ہستی رائی کے دانہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ میں نے تمام دنیا کے شہروں کو بلا استثنا مجموعی طور پر دیکھا۔ اور اُن کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر رکھا۔ لیکن باایں ہمہ وسعت۔ وہ بمقابلہ ملک خدا میری نظر حقیقت بین میں ایک رائی کے دانہ سے وسعت میں زیادہ نہیں۔ یا میری ہمت بلند کے مقابلہ میں وہ رائی کے دانہ کی قیمت نہیں رکھتے۔ بچے کی نظر میں ایک معمولی مکان کی چھت اور چھوٹی نہر۔ آسمان اور دریائے بے پایاں سے کم نہیں ہوتے لیکن جب وہی بچہ جوان ہوتا ہے۔ تو اُس کے سامنے وہی چھت اور نہر کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔ اسی طرح عارفان حقیقت شناس کی نظر میں دنیا و مافیہا کی کچھ ہستی نہیں۔ اور چونکہ دنیا کی ہستی کی نظیر قرآن شریف میں قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ آئی ہے۔

ؔ بانقشہ بر صفحہ آئندہ

اس کی حقارت میں کوئی کلام نہیں۔ اور آخرت کی تعریف میں اِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيْمًا وَّمُلْكًا كَبِيْرًا وارد ہے۔ اور عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالٖ کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ جو اتصال حضرت قدس سرہ کو بارگاہ جل وعلا میں ہے یا مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۚ کا رتبہ حاصل ہے۔ اس اعتبار سے جب آپ نے بلاد اللہ کو دیکھا۔ تو اُن کی ہستی کچھ نہ تھی۔ مقربان درگاہ الٰہی کی نظر میں کئی برسوں کا زمانہ ایک ساعت اور ارض و سماء و مافیہا مثل ذرہ نظر آتے ہیں

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نے مکتوبات میں لکھا ہے۔ کہ عارف کے دل میں تمام دنیا بمثل ایک نقطہ کے ہے۔ اس کا ثبوت امثال حسی سے بھی مل سکتا ہے۔ کہ جب کوئی کتاب یاد ہو جاتی ہے۔ تو صفحے کے صفحے الٹنے سے مفہوم ان کا بغیر اس کے کہ حرف بحرف پڑھا جائے۔ دفعتہً دماغ میں آجاتا ہے۔ یہی حال اولیاء اللہ کا ہے کہ کائنات کا عکس بحیثیت مجموعی ان کے دل میں جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کو تمام دنیا بمثل ایک زاویہ کے دکھلائی گئی تھی۔ جس طرح کوئی قلہ کوہ سے دامن کوہ کو ایک ہی نظر سے دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح ولی اللہ کی نگاہ میں کون و مکان کے جلوے متمکن ہوتے ہیں۔



؎ کہو کہ دنیا کے فائدے بہت ہی تھوڑے ہیں ؎ اور جب تو بہشت کی مجموعی حالت کو دیکھے تو وہاں تم کو ہر طرح کی نعمت اور بڑی سلطنت کا ساز و سامان دکھائی دے۔ ؎ اور اس وقت بھی پیغمبر کی نظر کسی طرف کو بہکی اور نہ حد سے بڑھی۔

(۲۳) دَرَستُ العِلمَ حتّٰی صِرتُ قُطبًا ۔ وَنِلتُ السَّعدَ مِن مَولَی المَوَالِی

دَرَسْتُ ۔ ماضی متکلم۔ دَرْسٌ دَرسنا و دراستہ۔ کتاب کو پڑھنا۔ مدرسہ ۔ مکتب۔ مدرس معلم۔ عِلم جاننا۔ مراد علوم فقہ۔ حدیث۔ تفسیر۔ عرفان۔ حتّٰی غایت اور انتہا کے لئے آتا ہے۔ صِرتُ فعل ناقص واحد متکلم ماضی۔ قُطبًا۔ قطب (اولیاء اللہ کے طبقہ سے ایک فرد ہے جس کا مرتبہ بہت بلند ہوتا ہے) خبر ہے صِرتُ کی۔ نِلتُ۔ صیغہ واحد متکلم ماضی۔ نَیل۔ مصدر۔ پانا۔ حاصل کرنا۔ سَعد۔ نیک بختی۔ سعادت۔ نیک بخت ہونا۔ ضد نحس۔ مراد اس جگہ مدارج سعد ہے۔ مَولٰی۔ صاحب۔ آقا۔ خداوند۔ مَولَی المَوَالِی سے مراد خدائے تعالیٰ عز اسمہٗ ہے۔

ترجمہ میں علم پڑھتے پڑھتے قطب ہو گیا۔ اور خدائے تعالیٰ کے فضل سے میں نے مدارجِ سعادت کو طے کر لیا۔

تشریح۔ اس شعر میں ظاہر کیا گیا ہے کہ کوئی شخص سوائے علوم دینیّہ کے مرتبہ عرفانِ حقیقی کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور باوجود تعلیم کے محض اپنی کوشش سے کامیاب نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ فضل ایزدی شاملِ حال نہ ہو۔ عرفان کی پہلی منزل علم ہے۔ اور علم سے مراد علم عبادات و معاملات ہے۔ اور یہ حاصل نہیں ہوتا جب تک فقہ۔ حدیث۔ تفسیر پر عبور نہ ہو کیونکہ کوئی آدمی صالح نہیں ہو سکتا جب تک وہ طریق عبادات و معاملات۔ نماز

روزہ ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ طلاق۔ نکاح۔ بیع۔ شرا۔ اور تقسیم ورثہ وغیرہ کے احکام پر مطلع نہ ہو۔ اور مال حرام کی آمیزش سے اپنے متاع کو محفوظ نہ رکھے کلام اللہ میں خدائے علیم نے جا بجا علم کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ۝[۱] قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝[۲] اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝[۳] وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝[۴] اور چونکہ علم ایک مجاہدہ ہے اس لئے نتیجہ اس کا ہدایت ہے بشرطیکہ فضل خدا شامل حال ہو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۝[۵] یہ ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ کسی پیغمبر یا ولی کا علم خدا تعالیٰ کے علم کے برابر نہیں ہو سکتا۔

۶۔ دو گونش یکے قطرہ وز بحر علم

خدائے تعالیٰ جل شانہٗ اپنے بندوں کو ایک حد تک جو اس کی مشیت کو منظور ہے۔ علم عطا کرتا ہے۔ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۝[۶] وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۝[۷] وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝[۸] اس کے شاہد ہیں۔

قطب سے مراد یا تو قطب عرفان و حقیقت یا قطب شریعت ہے چونکہ حضرت قدس سرہٗ علم ظاہری و باطنی دونوں کی تعلیم فرماتے ہیں اس لئے قطب شریعت بھی ہیں

---

[۱] اور آدم (علیہ السلام) کو سب چیزوں کے نام بتا دیئے [۲] اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو۔ کہ کہیں جاننے والے اور نہ جاننے والے بھی برابر ہو سکتے ہیں [۳] جنوں اور آدمیوں پر خدائے رحمان کے جہاں اور بے شمار احسانات ہیں۔ ان میں ایک یہ کہ اس نے قرآن پڑھایا۔ اس نے انسان کو پیدا کیا۔ پھر اس کو بولنا سکھایا۔ [۴] اور ہم نے اپنی طرف سے اس کو خاص علم سکھایا تھا۔ [۵] اور جن لوگوں نے ہمارے دین کے کام میں کوششیں کیں۔ ہم بھی ان کو ضرور اپنے رستے دکھائیں گے [۶] تو پاک ذات ہے جو تو نے ہم کو بتایا۔ اس کے سوا ہم کو کچھ معلوم نہیں [۷] دعا کرتے رہو کہ اے میرے پروردگار مجھے اور زیادہ علم نصیب کر۔ [۸] اور تم کو اسرار الٰہی میں سے بہت تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے پ ۱۵ ع ۱۰

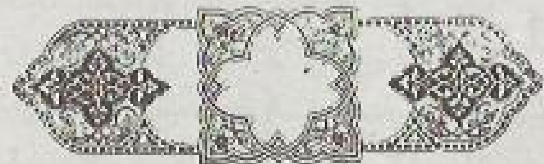
اور قطب حقیقت بھی جس طرح کرہ قطب پر پھرتا ہے۔ اور قطب کرہ کا مدار ہوتا ہے۔ اسی طرح شریعت بیضا اور عرفان کی ترویج کا مدار حضرت قدس سرہٗ کی ذات پاک ہے حضرت مجدد وقت تھے۔ اور مجدد وقت من جانب اللہ دین متین کی ترویج اور تجدید کے لئے ہر ایک صدی میں مامور کیا جاتا ہے۔

سَعْدٌ سے مراد وہ ملکۂ تامہ ہے جو ایک فاضل کو علوم ظاہری کی تعلیم میں حاصل ہوتا ہے۔ یا وہ مقام علیائے حقیقت ہے جو ایک غوث وقت کو عطا ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے علوم ظاہری اور باطنی خدائے تعالےٰ کی عنایت سے حاصل کئے۔ مصرع اول سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ حضرت نے یہ رتبہ علم کے پڑھنے سے حاصل کیا ہے۔ لیکن اس خیال کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ مجھے جو سعادت حاصل ہوئی ہے۔ وہ محض اللہ تعالیٰ کی عنایت کا نتیجہ ہے۔ اسمیں میری کوشش یا محنت کو ہرگز دخل نہیں ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

لَنِعْمَ مَا قِيْلَ ؎

اگر عنایت توفیق حق نگیرد دست
بدست سعی تو یاد است تا نہ پیمائی



(۲۴) رِجَالِیْ فِیْ هَوَاجِرِهِمْ صِيَامٌ
وَفِیْ ظُلَمِ اللَّيَالِیْ كَاللَّاٰلِیْ

رِجَالٌ۔ رجلان (بوزن عطشان۔ پیادہ) یا رَجُلٌ (مرد) کی جمع ہے رجل سے مراد مرد کامل۔ رجولیت۔ مردانگی۔ مردمی مقصود اس شعر میں حضرت قدس سرہٗ کے مریدین اور اولیاء (مثل علی بن ہیتی و ابی سعید و ماجد کردی رحمہم اللہ جو آپ کے غاشیہ بردار اور حلقہ بگوش تھے) ہیں۔ اور رِجَالِیْ کی یائے متکلم شفقت اور محبت کو ظاہر کرتی ہے۔ هَوَاجِرُ جمع ہاجرہ۔ دوپہر۔ نیم روز۔ یا گرمی کی شدت۔ اصل میں ہجر کے معنی چھوڑنا۔ چونکہ دوپہر کے وقت لوگ عموماً کام چھوڑ کر آرام لیتے ہیں۔ اس لئے اس وقت کا نام بھی ہاجرہ ہوگیا۔ مراد اس سے دن ہے جزو کا اطلاق کل پر اکثر آتا ہے۔ هَوَاجِرِهِمْ کی ضمیر رجالی کی طرف راجع ہے باضافت ادنی ملابست۔ صِيَامٌ جمع صائم۔ روزہ دار۔ اور صوم کے معنی چپ رہنا بھی ہے اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا۔[1] ظُلَمٌ جمع ظلمت۔ تاریکی ضد روشنی۔ لَيَالِیْ جمع لیل۔ رات۔ لَاٰلِیْ۔ جمع لولو۔ موتی خالص۔ کاف تشبیہ ہے۔ جار مجرور متعلق فعل مقدر۔ تجلو (چمکتے ہیں) کے ہے۔

ترجمہ میرے (مجاہد) مرید دن کو روزہ رکھتے ہیں۔ اور رات کی تاریکی میں تسبیح و تہلیل یا نماز تہجد کے ادا کرنے سے موتیوں کی طرح چمکتے ہیں۔

تشریح حضرت قدس سرہٗ اپنے مریدان با اخلاص کی تعریف فرماتے ہیں۔ کہ وہ دن کو

[1] میں نے خدا کے لئے روزہ (خموشی) کی نذر مانی ہے۔ پس آج میں کسی انسان سے کلام نہ کروں گی پ ۱۶ ع ۲ ۔

روزہ رکھتے ہیں خواہ موسم گرما کیوں نہ ہو۔ اور رات کو نوافل تہجد پڑھتے ہیں۔ خواہ اندھیری راتیں ہی ہوں۔ اور نورِ الٰہی سے اُن کی پیشانی موتیوں کی طرح چمکتی ہے۔ قرآن شریف میں ہے۔ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۔ یا ھَوَاجِر سے عہدِ شباب اور ظُلَمِ اللَّیَالِیْ سے جہالت و غرور مراد ہے جو شباب کو لازم ہے۔ حضرت فرماتے ہیں۔ کہ میرے مُرید شباب میں (جبکہ ارتکاب منہیات کا اکثر اندیشہ ہوتا ہے) ہر ایک بیہودگی سے اس طرح کنارہ کش رہتے ہیں جس طرح روزہ دار کھانے پینے سے۔ اور تاریکی جہالت میں (جو عہد شباب میں طاری ہوتی ہے) اُن کی پیشانی بباعث اتقاء و ورع موتیوں کی طرح تاباں و درخشاں ہے۔ عہدِ شباب کی جہالت و غرور کی تاریکی اُنکے صفائے باطن یا روئے روشن پر غلبہ نہیں پا سکتی۔ ؎

ہر کہ سیمائے راستاں دارد　　سرِ خدمت بر آستاں دارد

یا لُؤلُؤ سے مراد مرید کا قلب ہے۔ جو نورِ خدائے تعالیٰ کا مطلع ہے۔ اور موتی کی طرح چمکتا ہے۔ ھَوَاجِر کا مختص کرنا صوم کے لئے ایک لطیف معنی پیدا کرتا ہے یعنی جب وہ دوپہر کے وقت جس میں گرمی کی شدت ہوتی ہے۔ روزہ میں ثابت قدم ہیں تو اور اوقات میں بہرحال قائم رہتے ہیں اور چونکہ یہ مرتبہ نہیں حاصل ہو سکتا تاوقتیکہ اتباع شریعت محمدی نہ ہو۔ اس لئے اس شعر میں اُن لوگوں کے لئے جو حضرت کے مرید نہیں ہیں تحریص ہے کہ تم اتباع شریعت محمدی علیٰ صاحبہا الآف التحیۃ والسلام سے اُن مراتب کو جن پر میرے مرید فائز ہیں۔ حاصل کر سکتے ہو حضرت قدس سرہٗ نے اپنے مریدوں کو بطور تمثیل پیش کیا ہے۔ تاکہ اور لوگ ان کے فضائل دیکھ کر اُن جیسا کمال حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اور چونکہ روزہ اور شب بیداری دوسری عبادتوں سے سخت تر ریاضت ہے

اس لئے ان کا ذکر کیا ہے۔ خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا ۝[1] پس جو جماعت بطیبِ خاطر ایسی مشکل ریاضت کرتی ہے۔ اُس کے آگے دوسرے فرائض۔ حج۔ زکوٰۃ و نماز کیا مشکل ہیں۔ رات کے جاگنے کی فضیلت میں قرآن مجید شاہد و ناطق ہے۔ تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ۝[2] اور روزہ کی فضیلت میں ہے۔ اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ[3] اور یہ دو امر ایسے ہیں کہ جو شخص اُنکو اختیار کرے دوسرے فرائض و نوافل اُس پر آسان ہو جاتے ہیں۔ اور یہی دو قریب تر راستے ہیں۔ جو موصل الی المطلوب ہیں۔ ھَوَاجِر سے ہر سال کا موسم گرما مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرے مرید صائم الدہر ہیں۔ اور اُن کا صائم الدہر ہونا اس طرح ثابت کیا ہے۔ کہ جب وہ گرمی میں روزہ رکھتے ہیں۔ تو بلاشک جاڑوں میں روزہ رکھتے ہوں گے۔ اس امر کو نہ بھولنا چاہیے۔ کہ فرائض روزہ رمضان و نماز پنجگانہ کے علاوہ نوافل (روزہ ہو یا نماز) کی مداومت سے ترقی مراتب ہوتی ہے۔ اور نوافل کی وجہ سے انسان اعلیٰ مدارج کو طے کرتا ہے۔ نوافل ہی زادِ آخرت ہیں جن کی برکت سے انسان آخرت میں ممتاز ہوتا ہے۔ حضرت ابو عبد اللہ بوصیری قصیدہ بُردہ میں فرماتے ہیں۔ ؎

وَلَا تَزَوَّدْتُّ قَبْلَ الْمَوْتِ نَافِلَةً　　وَلَمْ اُصَلِّ سِوٰی فَرْضٍ وَّلَمْ اَصُمِ[4]

صلحا کے نزدیک نوافل توشۂ آخرت ہیں اور فرائض کا ادا کرنا حق عبودیت ہے۔

---

[1] بیشک رات کا اٹھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہے اور اس وقت دعا بھی ٹھیک دل سے نکلتی ہے۔
[2] رات کے وقت ان کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے۔ [3] روزہ میرا ہے اور میں خود اس کی جزا دوں گا۔ [4] میں نے سوائے نماز روزہ مفروضہ کے نوافل کا کچھ زادِ آخرت جمع نہیں کیا ۱۲

(۲۵) وَکُلُّ وَلِیٍّ لَهٗ قَدَمٌ وَّاِنِّیْ عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بَدْرِ الْکَمَالِ

وَلِیٌّ۔ صیغہ صفت۔ دو [illegible] ہی خواہ۔ مہربان۔ نگہبان۔ مددگار۔ متصرف۔ قریبی رشتہ دار۔ غالب۔ سردار۔ مقرب الی اللہ۔ وَلَایَت بکسر الواو و بفتحہا۔ ملک۔ بادشاہی۔ سرداری۔ قبضہ کرنا۔ غلبہ پانا۔ میراث۔ کلام اللہ شریف میں ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَالَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا[1] ہ اصطلاح صوفیا میں ولی وہ ہے جس پر فنا کی کیفیت طاری ہو۔ اور اپنے وجود کو فانی سمجھے۔ اور اُس کی بقا خدا کی ذات سے وابستہ ہو۔ لَهٗ۔ کی ضمیر مجرور راجع بسوئے ولی۔ قَدَمٌ میں ق۔ دال دونو مفتوح ہیں پاؤں۔ اثر۔ قدم کو اگر بسکون دال پڑھا جائے تو ضرورت شعری کے لئے جائز ہے۔ اگر بفتح پڑھا جائے تو بھی وزن درست رہتا ہے۔ کیونکہ لَهٗ قَدَمٌ مفاعلتن درست ہے۔ ضرورت شعری میں متحرک کو ساکن اور ساکن کو متحرک کرنا جائز ہے چنانچہ علامہ جار اللہ زمخشری فرماتے ہیں ؎

ضَرُوْرَۃُ الشِّعْرِ عَشْرٌ عُدَّ جُمْلَتُهَا
قَطْعٌ وَّ وَصْلٌ وَّ تَخْفِیْفٌ وَّ تَشْدِیْدٌ
وَمَدٌّ وَّ قَصْرٌ وَّ اِسْکَانٌ وَّ تَحْرِیْکٌ
وَ مَنْعُ صَرْفٍ وَ صَرْفٌ ثُمَّ تَعْدِیْدٌ

[1] جو لوگ ایمان تو لائے اور ہجرت نہیں کی تو تم مسلمانوں کو ان کی وراثت سے کوئی تعلق نہیں۔

قَدَم کا اطلاق ران سے پاؤں تک ہے۔ اور اصطلاح صوفیا میں قدم وہ سعادت یا شقاوت ہے جو انسان کے لئے خدائے تعالیٰ کے علم میں مقدر ہے۔ اگر سعادت ہو تو اُس کو قدم صدق کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں ہے۔ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ[1] ہ اگر شقاوت ہے تو قدم شقاوت یہ رتبہ منتہائے سعادت و شقاوت ہے۔ اَلنَّبِیُّ۔ فعیل بمعنی فاعل۔ آگاہ کرنے والا۔ خبر دینے۔ مشتق ہے نبا سے۔ بعض کے نزدیک نبی و رسول میں فرق ہے۔ نبی عام ہے۔ خواہ اس پر کتاب نازل ہو یا نہ ہو۔ رسول خاص ہے جس پر کتاب نازل ہو۔ بَدْر۔ مبتر۔ پیش دستی کرنا۔ جلدی کرنا۔ ماہ کامل ماہ کامل کو بدر اس لئے کہتے ہیں۔ کہ اس کا طلوع آفتاب پر سبقت لیجاتا ہے کَمَال۔ تمام۔ انجام پانا۔ بَدْرِ الْکَمَال۔ اضافۃ الموصوف الی الصفۃ۔ یا مضاف محذوف ہے۔ اصل میں بَدْرِ سَمَاءِ الْکَمَال تھا۔ ولی و نبی مخفف وَلِیٌّ وَ نَبِیٌّ کا ہے۔ اور یہ جائز ہے جیسا کہ علامہ صفدی کہتا ہے ؎

ثُمَّ الصَّلٰوۃُ عَلٰی اَزْکَی الْوَرٰی حَسَبًا ۔ مُحَمَّدٍ وَّ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیٍّ[2]

علی مشدد تھا۔ اس کو مخفف پڑھا گیا۔ مجانی الادب کے ایک قصیدہ میمیہ میں بھی ایک شعر اس کی تائید میں ہے۔

مَا زِلْتُ فِیْ لِیْنِیْ لَهٗ وَتَعَطُّفِیْ ۔ عَلَیْهِ کَمَا تَحْنُوْا عَلَی الْوَلَدِ الْاُمُّ[3]

اُمّ مشدد کو مخفف پڑھا گیا ہے۔ پس یہ اعتراض رفع ہو گیا۔ کہ ولی و نبی مشدد کو

[1] اور ایمان والوں کو خوشخبری سناؤ کہ ان کے پروردگار کی بارگاہ میں انکی بڑی پائگاہ ہے۔ [2] پھر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ پر جو تمام خلقت سے از روئے حسب نسب پاک ہیں درود ہو۔
[3] میں ہمیشہ اس کے لئے نرم و مہربان رہا۔ جیسا کہ ماں اپنے بچے پر مہربان ہوتی ہے۔

مخفف شعر میں کیوں لایا گیا۔

ترجمہ ہر ایک ولی کا میدانِ عرفان میں قدم ہے۔ یا وہ میرے قدم بقدم ہیں۔ اور میں حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم بقدم ہوں جو آسمانِ کمال کے بدر کامل ہیں

تشریح ۔ ہر ایک ولی کو ایک خاص رتبہ معارج عرفان و حقیقت کا دیا گیا ہے وہ ایک حد تک محدود ہے۔ (اور اس کی نسبت تمام اور کمال کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا) لیکن میں قدم بقدم حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شریعت پر چلتا ہوں جو خاتم النبیین ہیں اور انکے مدارج میں اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ہے۔ اس لئے میرا رتبہ مکمل و تام ہے۔ میں نے اتباع میں سر مو فرق نہیں کیا۔ نیز یہ مراد ہے کہ دوسرے اولیاؤں کو بعض بعض حالات میں دنیوی علائق سے لغزشیں عائد ہوتی ہیں لیکن مجھ کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اتباع اور برکت سے کوئی لغزش نہیں ہوئی۔ اور میں آنحضرت کے قدم بقدم منازل کمال تک چلا گیا۔ اور وہ منازل قاب قوسین او ادنیٰ ہیں۔ مگر میں تابع ہوں اور حضرت علیہ الصلوۃ والسلام متبوع ہیں۔ صوفیائے کرام کی اصطلاح کے مطابق قدم صدق اگر مراد لیجائے تو یہ معنی ہوں گے کہ اگرچہ سب ولیوں کے لئے سعادت مقدر ہے۔ لیکن وہ اس سعادت کو حاصل نہیں کر سکتے جو مجھے میسر ہے۔ وہ سعادت وہی سعادت ہے۔ جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو علیٰ حدِ کمال حاصل ہوئی۔ صرف اصل و فرع کا فرق ہے۔

اس شعر میں اس امر کی ترغیب و تحریص ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اقوال کا اتباع کئے بغیر کمال ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔ جس حد تک کوئی شخص اتباع کامل کی کوشش کریگا۔ اسی حد تک اوروں پر سبقت لے جائیگا۔ حضرت قدس سرہٗ

لہ اب ہم تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر چکے ہیں۔ پ ۶ ع ۵

اتباع کے لحاظ سے اپنے وجود مسعود کو تمثیلاً پیش کر کے فرماتے ہیں۔ کہ میرا ورکل اولیاء اللہ (جن میں حضرت کے مریدانِ خاص و معتقدانِ باخلاص بھی شامل ہیں) مقابلہ کرو اور دیکھو (اگرچہ انہوں نے ایک حد تک میدانِ حقیقت میں ترقی کی ہے۔ لیکن ان کیلئے ابھی منزلِ اقصیٰ بہت دور ہے) اور میں اس منزلِ اقصیٰ کو بوسیلہ حضور سرور کائنات علیہ الاف التحیۃ والسلام طے کر چکا ہوں جس سے یہ مفہوم ہے کہ حضرت قدس اللہ سرہٗ و دیگر اولیاء اللہ کو بھی منزلِ اقصیٰ تک پہنچا سکتے ہیں۔ کیونکہ جو شخص کسی راستہ کو طے کر چکا ہو۔ وہ دوسرے رہ نوردوں کو بھی اس راستہ کی رہنمائی کر سکتا ہے۔

یا اس شعر میں ان اولیاء سے خطاب ہے جو دوسرے پیغمبروں کی شریعت پر ہیں۔ حضرت قدس سرہٗ تسلیم کرتے ہیں کہ اگرچہ ان کو بھی رموز عرفان تک دسترس ہے۔ لیکن چونکہ میں افضل الرسل ہادی خیر السبل خاتم النبیین رحمۃ العالمین صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر ہوں۔ اس لئے مجھ کو یہ شرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل حاصل ہے چنانچہ علامہ بوصیری قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں۔

لَمَّا دَعَا اللّٰهُ دَاعِيْنَا لِطَاعَتِهٖ ۞ بِاَكْرَمِ الرُّسُلِ كُنَّا اَكْرَمَ الْاُمَمِ [1]

بدر الکمال میں کئی نکات مضمر ہیں۔ ایک تو اشارہ ہے۔ آیت معراج کی طرف سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ [2] گویا رات کو معراج پر جانا اور کمال حاصل کرنا چاند کی خوبصورتی اور نور افشانی کے مشابہ ہے جس طرح ہلال رفتہ رفتہ منازل کو طے کرتا ہوا بدر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح

لہ جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو (جو امت کو خدا کی اطاعت کی طرف بلاتے ہیں) خدا تعالیٰ نے بہترین پیغمبر کہہ کر پکارا تو بلا شک ہم اشرف الامم ٹھیرے۔ لہ وہ خدا عجز و ماندگی کے عیب سے پاک ہے جو اپنے محبوب کو راتوں رات مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا۔ جس کے گرد گرد ہم نے برکت دیا [illegible] کہیں دے رکھی تھی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام منازل علیا کو طے فرماتے ہوئے قاب قوسین پر جلوہ افروز ہوئے۔ اور مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ کا مرتبہ حاصل کیا۔ یا جس طرح چاند آفتاب سے نور حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح حضور رسالت پناہ (اُمّی وَاَبِیْ فَدَاہُ) کے آئینۂ دل نے خدا تعالیٰ کے انوار سے روشنی حاصل کی۔ یا جس طرح شب تاریک کو چاند روشن کرتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مومنین کو ظلمات جہالت سے نجات دیکر نور ہدایت بخشا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ[1] علم میں علما کی استعداد مختلف ہوتی ہے۔ یہی حال ولایت کا ہے۔ علمائے ذکی الطبع ان منازل کو (جب ان کو صفائی قلب حاصل ہوتی ہے) بہت جلد طے کر لیتے اور دور تک پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن غبی عامی استعداد کے موافق رتبۂ عرفان حاصل کرتے ہیں۔ کتب تصوف میں لکھا ہے۔ "عامی مجتہد پیادہ رونده است و عالم متہاون سوار خفتہ" یعنی معمولی طبیعت کے شخص جو ہر وقت زہد و ریاضت کرتے ہیں۔ ان پیادوں کی مثال ہیں۔ جو آہستہ آہستہ راستہ کو طے کرتے ہیں۔ اور سست عالم مثل سوار خفتہ کے ہے۔ اگر عالم غفلت کو چھوڑ دے تو سوار کی طرح بہت جلد منازل عرفان طے کر لیتا ہے۔ لیکن اگر وہ خواب غفلت میں ہے۔ تو پیادہ رفتہ رفتہ منزل کو طے کرے گا۔ اور اس عالم غافل سے بدرجہا بہتر ہوگا۔ جس نے علم سے کام نہ لیا۔ اس شعر میں تفاوت استعداد کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اور یہ بھی اشارہ ہے۔ کہ پیغمبران علیہم السلام کی معرفت کا راستہ نہایت مشکل ہوتا ہے۔ اور ان کے اصول بمقابلہ اصول اولیاء نہایت دقیق

[1] ان کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لاتا ہے۔ پ ۳ ع ۳

ہوتے ہیں جن پر مطلع ہونا ہر ایک کا کام نہیں۔ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ کہ اور اولیاء نے تو معمولی راستہ ولایت طے کیا ہے۔ لیکن میں حضور سالار انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راہ نبوت کے اسرار پر مطلع ہوا ہوں۔ مگر میں نبی نہیں ہوں۔ ابتدائی درجہ ولایت کا یہ ہے کہ نفس امارہ کی متابعت سے نجات پاکر معاصی و نواہی سے توبہ کرے اور اوامر الٰہی کا پورا پابند ہو۔ نوافل و فضائل حسنہ سے تقرب الٰہی حاصل کرکے آئینۂ دل کو پرتو حقائق الٰہی سے صیقل کرے۔ اسی کا نام ولایت عامہ ہے۔ جو ہر ایک مومن کو حاصل ہو سکتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس مدارج ولایت کا انتہائی مرتبہ وہ ہے جو حدیث شریف میں مذکور ہے۔ مَا زَالَ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ الْحَدِیْث جو شعر ۵ کی تشریح میں درج ہے۔

ان امور کو بعید از قیاس نہ سمجھنا چاہیے محسوسات میں ایسی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ پتھر کس قدر کثیف ہے۔ مگر شیشہ گر اس سے آئینہ بناتا ہے۔ آہن زنگ آلود جلا کرنے سے شیشہ کی طرح شفاف ہو جاتا ہے۔ یہی مثال انسان کے دل کی ہے کہ مادہ پرستی سے زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ اسکے روشن کرنے کے لیے مصقل کی ضرورت ہے۔ اس کا مصقل مرشد کی نگاہ ہے جس سے ہر قسم کی کثافت دور ہو جاتی ہے۔ اور اس کے جواہر درخشاں ہو جاتے ہیں۔ پس اس مقصد کے لیے اتباع شریعت و صحبت مرشد لازمی ہے۔ سوا اسکے صفائی قلب حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور نہ یہ مسایل دلائل عقلیہ سے سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ جب تک کہ ریاضت و عبادت سے آئینۂ دل کو روشن نہ کیا جائے۔ ۝

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند

(۲۶)

مُرِیْدِیْ لَا تَخَفْ وَاشٍ فَاِنِّیْ
عَزُوْمٌ قَاتِلٌ عِنْدَ الْقِتَالِ

لَا تَخَفْ صیغہ نہی خطاب مرید کو ہے۔ خَوْفٌ۔ ڈرنا۔ وَاشٍ اصل میں وَاشِیٌ تھا کسرہ یا پر ثقیل تھا۔ گرا دیا گیا۔ بعدہ نون تنوین اور ی میں التقاء ساکنین ہوا۔ ی کو (جو حرف علت ہے) گرا دیا گیا۔ وَاشٍ ہوگیا۔ شَرٌّ مضاف حذف کیا گیا۔ بہ قرینہ آیۃ کریمہ۔ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۔ مگر اثر اس کا اعراب وَاشٍ پر قائم رہا یا محلاً منصوب ہے کیونکہ لَا تَخَفْ کا مفعول ہے۔ ضرورت شعری سے مجرور پڑھا گیا جیسا کہ شعر ششم میں بیان ہو چکا ہے۔ علامہ زمخشری نے کشاف میں اس اعتراض کو سورۂ انفال میں حل کیا ہے۔ چنانچہ تفسیر آیۃ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ[1] میں لکھا ہے۔ کہ ایک قرأت میں وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةِ بکسرہ آخرہ ہے یعنی عَرَضَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔ عرض مضاف کو حذف کیا۔ اور آخرہ مضاف الیہ کو اصلی حالت اعراب پر رکھا۔ وَشْیٌ۔ وَشَایَةٌ مصدر۔ برائی کا خیال رکھنا۔ خلاف واقع باتیں بنانا۔ چغلی کھانا۔ عَزُوْمٌ۔ عزیمت۔ قصد کرنا۔ اپنے ارادہ میں پکا ہونا۔ اسی واسطے بعض انبیاء علیہم السلام کو اُولُو الْعَزْم کہا گیا ہے۔ جیسا کہ آیۃ کریمہ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ[2] میں مذکور ہے۔ کہ وہ تبلیغ کلام الٰہی میں ثابت قدم رہے۔ اور کسی سے نہ ڈرے کفار کے ساتھ جنگ آزما ہو کر فتحیاب ہوئے۔

ل۔ مسلمانو تم مال و متاع دنیا کے خواہاں ہو۔ اور اللہ تم کو آخرت کی نعمتیں دینی چاہتا ہے پ ۱۰ ع ۵

ع ۲۔ اے پیغمبر جس طرح اور ہمت والے پیغمبروں نے کافروں کی ایذاؤں پر صبر کیا تم بھی صبر کرو پ ۲۶ ع ۴

ترجمہ۔ اے میرے مرید تو کسی سخن چین اور شریر کی شرارت سے نہ ڈر۔ کیونکہ میں لڑائی میں اولوالعزم دشمن کش ہوں۔

تشریح۔ مجھ جیسے بہادر اولوالعزم مرشد کے ہوتے تجھ کو کیا ڈر ہے۔ وَاشِی سے مراد یا تو شیطان ہے یا نفس امارہ۔ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اے میرے مرید جب تو منازل عرفان کو طے کرے تو نفس و شیطان کے وسوسوں سے یہ اندیشہ نہ کر کہ کبھی تیری ترقی مدارج میں حارج ہوں گے۔ اور تو عرفان کی طے کردہ منازل سے گرا دیا جائیگا۔ کیونکہ میں تیرا محافظ ہوں جس وقت ایسے وسوسے پیش آئیں گے تو میں مدد کروں گا۔ اور نور ارشاد سے ظلمات نفسانی و وساوس شیطانی بتوفیقہ تعالیٰ زائل ہوں گے۔ روایت ہے کہ ابتداء میں جب حضرت قدس سرہٗ جنگل میں مجاہدہ کرتے تھے۔ تو شیطان عجیب عجیب صورتوں میں دھوکے دیتا اور طرح طرح سے ڈراتا تھا۔ لیکن قلب سلیم و جری پر کسی قسم کا خوف و اثر طاری نہ ہوتا تھا۔ اور نہ کسی طرح کی لغزش واقع ہوتی تھی۔ یا واشی سے مراد حضرت کے منکرین ہیں یعنی وہ لوگ جو منافقانہ طور پر حلقہ مریدین میں شامل ہو کر جماعت غوثیہ کے حالات سنتے اور دیگر منکرین کو اطلاع دیتے تھے یا حضور کی کرامات و فیضان کی ہنسی اڑاتے تھے۔ حضرت کا ارشاد ہے کہ ان سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ (ایسا ہر ایک زمانہ میں ہوتا آیا ہے گو یہ قدرتی بات ہے) مقابلہ کے وقت تم کو عیاں ہو جائیگا۔ کہ کون صداقت پر ہے اور کس کا پلہ بھاری ہے۔ اور کس کی تقدیر میں فتح و نصرت ہے۔ کیونکہ مقابلہ کے وقت میرا قدم کبھی پیچھے نہیں ہوتا۔ آخرش نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ فتح مجھکو نصیب ہوتی ہے۔ جب حضرت قدس سرہٗ نے اشعار ماسبق میں اپنے منازل علیا اور مراتب عظمیٰ کا ذکر فرمایا

تو محبت اور شفقت سے اپنے مریدوں کو بھی تسلی دی کہ وہ اپنی ارادت پر قائم رہ کر آئندہ کسی خطرہ اور وسوسہ سے نہ ڈریں جب تک ان میں جوہرِ ارادت ہے۔ وہ خدا کے دوست ہیں۔ اور خدا کے دوستوں کے حق میں آیا ہے۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ جب تک کوئی انسان دائرۂ شریعت میں رہتا ہے۔ اس کو کسی قسم کا صدمہ نہیں پہنچتا۔ جہاں اُس نے جادہ مستقیم شریعت احمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے قدم باہر رکھا نشانۂ مصائب و شدائد بنا۔

کلام اللہ میں ہے۔ فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ حقیقت میں موصل الی اللہ دو امر ہیں۔ خوف اور عدم خوف۔ خوف تو خدا کا اور عدم خوف ماسوی اللہ کا۔ جو شخص غیر اللہ سے نہیں ڈرتا۔ جیسا کہ خود خدا نے فرمایا ہے۔ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ گویا وہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھتا اور مقرب الی اللہ ہوتا ہے۔ اور حضرت قدس اللہ سرہٗ نے جو اپنی ذاتِ اقدس پر لفظ فاکل کا استعمال کیا ہے وہ باتباع اس آیت کریمہ کے ہے۔ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا حضرت قدس سرہٗ سے روایت ہے۔ کہ جب آپ نے مجاہدہ شروع کیا۔ اور خوفِ نفس و شیطان سے ایمنی کا درجہ حاصل ہو گیا۔ تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ بہت سے پھندے اور رسے آپ کی گردن میں پڑے دیکھے معلوم کیا کہ یہ دنیا کے دھندے ہیں۔ مجاہدہ کرتے کرتے ان سے رہائی پائی۔

لہ یاد رکھو خاصان خدا ایسے امن میں ہیں کہ قیامت کے دن ان پر نہ کسی قسم کا خوف طاری ہوگا اور نہ وہ کسی طرح پر آزردہ ہوں گے۔ ۱۲ لہ اللہ والوں کا بول بالا ہو۔ لہ جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کو پکی بات یعنی کلمۂ توحید کی برکت سے اس دنیا میں بھی ایمان پر ثابت قدم رکھتا ہے۔ اور آخرت میں بھی ثابت قدم رکھیگا۔ یعنی سوال جواب کے وقت ان کو کسی قسم کی لغزش نہ ہوگی۔ لہ اور خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ مانا۔ لہ مسلمانو تم شیطان کے طرفداروں سے لڑو۔ اور ان کی کثرت کی کچھ پروا نہ کرو کیونکہ شیطان کی جتنی تدبیریں ہیں سب بودی ہیں۔ ۱۲ موضح القرآن

بعد ازاں دیکھا کہ بہت کچھ سامان و متاع پس و پیش رکھا ہے۔ خیال کیا کہ یہ اسبابِ دنیوی ہیں ان کو ریاضت و عبادت سے دور کیا۔ پھر محسوس ہوا کہ دل انور پر کئی علائق ہیں۔ جن سے مراد انسانی ارادت اور اختیار ہے۔ اُن سے عبادت کر کے نجات پائی۔ پھر دیکھا کہ ابھی نفسانی دور نہیں ہوئی۔ اس کو دور کیا۔ پھر دنیا و مافیہا سے آزاد ہو کر توکل، شکر، غنا اور فقر کے مدارج طے فرما کر قربِ عزِّ اعظم و دولتِ سرمدی یعنی مدعائے صالح کو حاصل کیا جو مقصود بالذات تھا۔ اس شعر کا ورد ہر ایک مصیبت کے وقت تریاق کا اثر رکھتا ہے۔ کیونکہ مصائب برے اعمال کا نتیجہ ہیں اور برے اعمال شیطان کی تحریک سے سرزد ہوتے ہیں۔ اگر یہ شعر خلوص اور عقیدت سے معانی کو ذہن نشین کر کے بہ تکرار پڑھا جائے۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ مصیبت، غم اور مشکل حل ہو جاتی ہے۔ میں نے ایک عرضداشت میں عرض کیا ہے۔ ؎

فرسودہ خود از شرف۔ ما را مریدی لا تخف۔ از گو ہرم یا از خزف۔ تو نیک مے دانی مرا

آئندہ اشعار میں قصیدہ کے ختم پر حضرت اپنا حسب نسب اور نام و لقب اور مدارج بیان فرماتے ہیں جس سے مضامین ماقبل کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ فطرتی امر ہے۔ کہ دعوے مع الدلیل کا اثر دلوں پر زیادہ ہوتا ہے جب بیان کرنیوالے کی شہرت اسمی اور علمی و نسبی کا اظہار کیا جائے۔ جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا شعر ہے۔ ؎

اَنَا الَّذِىْ سَمَّتْنِىْ اُمِّىْ حَيْدَرَهْ
ضِرْغَامُ اٰجَامٍ وَّلَيْثٌ قَسْوَرَهْ

تو اُس کی تقریر کی طرف لوگ دل سے متوجہ ہوتے ہیں۔ اور اُس کا اثر دلوں پر زیادہ ہوتا ہے

لہ میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ میں جنگلوں کا تند شیر ہوں



(۲۷) **أَنَا الْجِيلِيُّ مُحْيِي الدِّيْنِ اِسْمِيْ**
وَاَعْلَامِيْ عَلٰى رَأْسِ الْجِبَالِ

اَنَا۔ ضمیر واحد متکلم۔ جِیْلِیْ۔ منسوب بہ جیل۔ نام علاقہ۔ گروہ مردم۔ محاورہ ہے۔ اَلْعَرَبُ جِیْلٌ وَّالتُّرْکُ جِیْلٌ۔ حضرت کا ابتدائی مسکن نام اور مولد نیق ہے۔ جو علاقہ جیل کے دیہات سے ہیں۔ اس لئے علاقہ سے اپنی ذات کو منسوب کیا۔ جیسا کہ حضرت محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم عرب کی طرف منسوب ہیں۔ مُحْيِي الدِّيْنِ۔ دین کا زندہ کرنے والا۔ مُحْیِیْ۔ اِحْیَا (مصدر افعال (زندہ کرنا) سے مشتق ہے۔ حضرت قدس اللہ سرہ العزیز کا نام ہے۔ دین و اسلام ایک دوسرے کی تفسیر ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ[1]۔ اِسْمٌ۔ نام جس سے کوئی شخص پکارا جاتا ہے۔ اگر اب و ابن کے ساتھ ہو۔ تو اس کو کنیت۔ اگر مدح وذم کے معنے پائے جائیں تو لقب اس کے ماسوا علم ہے۔ اَعْلَام۔ جمع عَلَم۔ نیزہ۔ نشان۔ برق۔ مراد اس سے ظاہری باطنی نشان مثل کرامت یا فیض یا صداقت یا ہدایت ہو۔ رَأْس۔ سر یا چوٹی۔ انتہائے بلندی جِبَال۔ جبل کی جمع ہے۔ پہاڑ۔ رَأْسِ الْجِبَال۔ پہاڑوں کی چوٹی۔

ترجمہ میں جیلی (گیلان کا رہنے والا) ہوں۔ اور محی الدین میرا نام ہے۔ میری کرامات یا فیض یا صداقت کے نشان پہاڑوں کی چوٹیوں پر لہرا رہے ہیں۔

تشریح میری ہدایت کے نشان بہت بلند ہیں۔ جن کو ہر ایک دیکھ سکتا ہے۔ گمراہ جاہل۔ بیدین اس سے نجات حاصل کرتے ہیں۔ جبال سے مراد مقامات علیا۔

---

[1] دین حق تو خدا کے نزدیک یہی دین اسلام ہے اور بس پ ۳ ع ۱۰

اور اقطاب زمان بھی ہو سکتے ہیں۔ اور اعلام سے مراد فضیلت و مرتبہ ہے۔ یعنی میری فضیلت اقطاب عالم پر فائق ہے۔ اور میرا مرتبہ اعلیٰ مقامات حقیقت سے برتر ہے امام یافعیؒ نے تکملہ میں لکھا ہے۔ کہ کسی نے حضرت قدس اللہ سرہ العزیز سے پوچھا کہ محی الدین آپ کا لقب کس وجہ سے ہوا فرمایا کہ میں ایک دفعہ سفر سے بغداد کو ننگے پاؤں واپس آ رہا تھا۔ کہ ایک مریض (جس کا رنگ زرد اور بدن نہایت نحیف تھا) ملا۔ اور مجھے کہا کہ براہ مہربانی سہارا دیکر بٹھا دیجئے۔ کیونکہ مجھ میں بیٹھنے کی طاقت نہیں۔ میں نے اس کو سہارا دیکر بٹھایا تو دیکھتا ہوں کہ وہ بالکل شفایاب ہو گیا۔ نہ وہ ضعف تھا نہ زردی۔ وہ ایک قوی ہیکل خوبصورت جوان نظر آتا تھا۔ اس نے پوچھا۔ کہ مجھے آپ نے پہچانا؟ میں نے کہا۔ نہیں۔ اس نے کہا کہ میں دین ہوں۔ نہایت خستہ حال۔ غریب الغربا تھا۔ جیسا کہ آپ نے مجھے دیکھا۔ اب خدا تعالےٰ نے مجھے آپ کی برکت سے زندہ کر دیا۔ اس کے بعد میں جامع مسجد میں گیا۔ تو ایک شخص مجھے ننگے پاؤں دیکھ کر جوتا لایا۔ اور سیدی محی الدین کہکر پکارا۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا۔ تو چاروں طرف کے لوگ محی الدین محی الدین کہتے ہوئے میرے ہاتھ پر بوسہ دینے کے لئے دوڑے۔ حالانکہ مجھے اس لقب سے اس سے پہلے کبھی کسی نے نہیں پکارا۔ اور یہ لقب اس قدر مشہور ہوا۔ کہ یہی میرا نام ہو گیا۔ بعض اعتراض کرتے ہیں۔ کہ احیاء خدا کا فعل ہے۔ کسی انسان کا نہیں ہو سکتا۔ محاورہ عرب میں کہتے ہیں۔ اَنْبَتَ الرَّبِیْعُ الْبَقْلَ۔ یعنی موسم بہار نے سبزہ پیدا کیا۔ حالانکہ حقیقی مُنْبِت (پیدا کرنے والا) خدائے آفریدگار ہے۔ پس محی الدین مجاز ہے حقیقت کا۔ جیسا کہ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی تعریف۔ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ سے فرمائی ہے۔ اس شعر میں یہ ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ وہ

خادمِ دینِ متین ہیں جس طرح درخت کو پانی سرسبز رکھتا ہے۔ اسی طرح دین کی اشاعت دین کو زندہ رکھتی ہے۔ اور دین کے زندہ کرنے سے یہ مراد ہے کہ اس کے احکام کی اشاعت کی جائے اور وعظ و نصیحت سے اوامر و نواہی کو لوگوں پر ظاہر کیا جائے۔

اَعْلَامِیْ عَلٰی رَأْسِ الْجِبَالِ سے یہ مراد ہے کہ حضرت قدس اللہ سرہ کا آفتاب ہدایت ایسا لامع اور درخشاں ہے۔ جیسے پہاڑوں پر مسافروں کی رہنمائی کے لئے رات کو آگ روشن کی جاتی ہے یا بڑے بڑے جھنڈے نصب کئے جاتے ہیں (جیسا کہ عرب میں دستور تھا) تاکہ رستے کے بھولے بھٹکے آگ یا جھنڈے کو دیکھ کر اس طرف آئیں۔ اور ہلاک نہ ہوں۔ اسی طرح حضرت کا نورِ ہدایت اور علمِ رُشد درخشاں و تاباں ہے۔

یا مراد یہ ہے۔ کہ حضرت کی شہرت اور عظمت ایسی نمایاں ہے جیسے پہاڑ کی بلندی پر بجلی چمکتی ہے۔ اور یہ لقب و شہرت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی کما حقہٗ پیروی نہ کی جائے۔ گویا حضرت قدس سرہٗ کی ذاتِ پاک گمراہوں اور اُن اولیاءُ اللہ کے لئے جن کی ترقی رک گئی ہو۔ شمع ہدایت ہے حضرت قدس اللہ سرہ العزیز اپنے آپ کو بطور مثال پیش کرتے ہیں کہ اگر اولیاء اللہ ایسے مراتب کی خواہش رکھتے ہیں۔ تو اتباعِ سنت سنیہ کو اپنا رہنما اور پیشوا بنائیں یا جبال سے مراد سرکش متکبر ہیں۔ اور اعلام سے کرامات نادرہ یا احکام ہدایت و رُشد حضرت قدس سرہٗ کی کرامات ایسی مسلمہ اور احکام ہدایت ایسے واجب الاذعان ہیں کہ سرکش سے سرکش متکبر بھی ایمان لے آتے ہیں۔

اَنَا الْجِیْلِیْ میں ایک لطیف نکتہ ہے۔ کہ خاک پاک گیلان شرفاء و سادات کا مسکن تھا۔ اس نسبت کا ذکر بطور شکر نعمت ہے کہ آپ کی ولادت اس خطہ میں ہوئی۔

(۲۸) **اَنَا الْحَسَنِیُّ وَالْمُخْدَعُ مُقَامِیْ**
وَاَقْدَامِیْ عَلٰی عُنُقِ الرِّجَالِ

اَلْحَسَنِیُّ۔ منسوب بطرف حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ جیسا کہ حضرت کے نسب نامہ مبارک میں بیان ہوا۔ مُخْدَع بضم میم وبکسر میم گنجینہ۔ دیوان خاص۔ (جہاں بادشاہ مشیران سلطنت کے ساتھ مشورہ کرتے ہیں) یہاں مُخْدَع مرفوع ہے۔ ضرورت شعری کے لئے اعراب ساقط ہوا۔ مُخْدَع ایک اعلیٰ مقام ہے۔ جو جماعت واصلین بارگاہِ ایزدی میں سے کسی ممتاز قطب کو عطا کیا جاتا ہے۔ اور اس کا تصرف تمام امور عالم میں باذن اللہ ہوتا ہے۔ لیکن جماعت واصلین میں سے گروہ افراد اس قطب کے دائرہ تصرف سے خارج رہتا ہے۔ کیونکہ افراد ملائکہ کے ظل ہیں۔ اور ملائکہ تصرف ارضی سے بالاتر ہوتے ہیں۔ قطب صرف انتظام امور عالم کے لئے منتخب کیا جاتا ہے۔ جیسے اصطلاح حکمت میں عقل اوّل کا وجود تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اصطلاح تصوف میں قطب صاحب مقام مُخْدَع تصور ہوتا ہے۔ مُقَام منزل۔ رتبہ۔ اہل حقیقت کے نزدیک وہ منصب ہے جس تک پہنچنے کے لئے نہایت اشتیاق و ارادت سے تکلیفات کی برداشت کی جائے۔ حال اور مقام کی تشریح بیان ہو چکی ہے۔ اَقْدَام جمع قدم پاؤں اس کی تشریح شعرہ ۱ میں گزر چکی ہے۔ عُنُق بضم عین و سکون نون و بضمہا۔ گردن۔ جماعت مردان۔ چونکہ گردن کی بلندی سے استعارۃً رتبہ مراد لیا جاتا ہے۔ اس لئے اس شعر میں بھی مقام کے بجائے عظمت و رتبت کے معنے لینے چاہئیں۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ع "گردن بے طمع بلند بود"

رِجَالٖ کی تشریح پہلے ہو چکی ہے۔ اَنَا الْحُسَیْنِیُّ سے حضرت اپنے نسب کو ظاہر فرمانے لگے
جیسا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ
اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ نسب کا اعلیٰ ہونا بہت بڑی نعمت ہے جب زہد و تقویٰ
اس کے ساتھ شامل ہوں اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ
فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ واقعی شریف النسب اشخاص
کے اکثر افعال و عادات بموجب عَادَاتُ السَّادَاتِ سَادَاتُ الْعَادَاتِ اچھے
ہوتے ہیں۔

گو ہر اگر در خلاب افتد ہماں گوہر است و غبار اگر بر آسماں رود ہماں غبار است

حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ العزیز کا نسب حضرت رسول اللہ صلعم تک پہنچتا ہے
پس حضرت کو دو شرف حاصل ہیں۔ جیسے باطن میں شرفِ ولایت محمدیہ سے
ممتاز ہیں ویسے ظاہر میں عزتِ نسب احمدی سے مفتخر ہیں۔

ترجمہ میں حسنی ہوں۔ اور میرا مرتبہ مخدع (قرب خاص) ہے۔ اور میرے پاؤں
مردانِ خدا (اولیاء اللہ) کی گردن پر ہیں۔

تشریح میرا سلسلہ نسب حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔
میرا مقام مخدع (قرب خاص حق سبحانہٗ و تعالیٰ) ہے۔ اور میرا ابتدائی مرتبہ دوسرے
اولیاء کے انتہائی مرتبہ سے بالاتر ہے ؎

اوّلِ او آخرِ ہر منتہی ۔۔۔ آخرِ او جیبِ تمنا تہی

له میں بیشک بے عیب نبی ہوں عبدالمطلب کی اولاد سے ۔ که بیشک تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ شریف وہ ہے جو تم [illegible]
[illegible]
[illegible]

حضرت قدس سرہٗ کے اس شعر میں اس امر کا اشارہ ہے کہ حضرت کی ذات ستودہ صفات کے
باعتبارِ علو مرتبہ دوسرے منتہی لوگ تعلیم و افادہ حاصل کرتے ہیں۔ یا مرتبہ اور علو مدارج کا
اظہار بطور شکریہ ہے۔ سبحان اللہ کیا فصاحت و بلاغت ہے کہ ایک شعر میں اتنا
مضمون بیان ہوا ہے۔ اَقْدَامِیْ عَلٰی عُنُقِ الرِّجَالِ سے یہ استعارہ ہے کہ لوگ
حضرت کے قدم چومتے ہیں۔ اور اس حالت میں گویا لوگوں کی گردنوں پر حضرت کے
پائے مبارک ہوتے ہیں۔ اور قدم علی العنق سے مراد اطاعت و انقیاد مریدین ہے۔
نیز اس شعر میں اُس مقولہ کی طرف اشارہ ہے۔ جو حضرت قدس سرہٗ نے وعظ میں
فرمایا تھا۔ قَدَمِیْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰہِ جس کی اطاعت میں تمام اولیاء وغیرہ
نے کشف سے معلوم کر کے (سنتے ہی) اُسی وقت اپنی گردنیں جھکا لی تھیں ؎

اتنا ہوں تری تیغ کا شرمندہ احساں ۔ سر میرا ترے سر کی قسم اٹھ نہیں سکتا۔

مسئلہ قدم ایک مشہور مسئلہ ہے جس کی تفصیل کئی کتابوں میں درج ہے کہ مستند علماء اور ثقات
فضلاء کی روایات سے اس واقعہ کو ثابت کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ مختلف ممالک میں
ایک ہی وقت جس جس ولی اللہ نے حضرت کے اس فرمان پر سر تسلیم خم کیا۔ ان کے
نام بھی مذکور ہیں حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ہم ظاہری حواس سے چیزوں کو دیکھتے اور آوازوں کو
سنتے ہیں اسی طرح اولیاء اللہ عالم کشف میں اُن چیزوں اور آوازوں کو دیکھتے اور
سنتے ہیں جو ہمارے حواس سے باہر ہیں جب ہم جانتے ہیں کہ خوردبین و دوربین سے
ایسی چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں جو آنکھ سے دکھائی نہیں دیتیں تو پھر عالم کشف
و رویا سے انکار کرنا جہالت نہیں تو کیا ہے؟

رَبَّنَا اھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ

(۲۹) وَعَبْدُ الْقَادِرِ الْمَشْهُوْرُ اِسْمِیْ
وَجَدِّیْ صَاحِبُ الْعَیْنِ الْکَمَالِ

اَلْعَبْدُ۔ غلام۔ بندہ۔ عبید۔ عباد جمع ہے۔ عبودیت۔ بندگی۔ عجز و نیاز۔ اَلْقَادِرُ اسم باری تعالیٰ۔ لغوی معنی توانا۔ قدرت والا۔ قَدِیْرٌ اسم صفت۔ آیات ذیل۔ مَا شَآءَ اللّٰهُ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَاْ لَمْ یَکُنْ ۔[1] اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[2] سے مفہوم قدرت ظاہر ہوتا ہے۔ اَلْمَشْهُوْرُ۔ معروف۔ اِسْمٌ۔ نام۔ اِسْمِیْ۔ میں یائے متکلم ہے جَدٌّ۔ دادا۔ نانا۔ بے نیازی و توانگری۔ جیسا کہ دعا میں ہے۔ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔[3] نیز کلام اللہ میں ہے۔ اِنَّهٗ تَعَالٰی جَدُّ رَبِّنَا[4] ۔ صَاحِبٌ ہمراہ۔ دوست۔ خداوند قرآن میں آیا ہے۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی[5] ۔ اَلْعَیْنُ۔ مشہور ہے۔ کہ جس قدر عین (ع ی ن) کے اعداد ہیں اُسی قدر اس کے معنے بھی ہیں یعنی اس لفظ کے بہت سے معنی ہیں۔ ان میں سے مشہور یہ ہیں۔

آنکھ۔ آفتاب۔ سونا۔ خالص۔ بہتر۔ نفس و ذات۔ نگہبانی   مثلاً عین اللہ حفظ اللہ

عین القوم سے مراد سردار قوم ہے۔ اس جگہ ذات و نفس کے معنی زیادہ موزوں ہیں۔ اَلْکَمَالُ۔ تمام ہونا۔ کسی چیز کا اپنی ذات یا صفات میں مکمل ہونا۔ اور اصطلاح صوفیہ میں سالک و مرشد کامل کی مدد سے عالم انوار و تجلیات کی سیر کرنا۔

لہ جو کچھ اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ وہ ظاہر ہوتا ہے۔ اور جس کو وہ ظاہر کرنا نہیں چاہتا وہ ظاہر نہیں ہوتا۔
ٹہ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ٹہ (خدایا تیری پکڑ سے) صاحب مال کو اس کا مال کچھ فائدہ نہیں بخش سکتا۔ تمام دعا یہ ہے اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ ۔ ٹہ اور جائے پروردگار کی بڑی اونچی شان ہے
ٹہ تمہارے رفیق (محمد) راہ راست سے بھٹکے اور نہ بہکے۔ پ ۲۷ ع ۵

اَلْعَیْنُ الْکَمَالِ سے مراد نفس کمال یا رتبہ جلیلہ ہے جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی کے مالک ہیں۔ جو ضلالت و غوایت سے مبرا ہے۔ یا عَیْنُ الْکَمَالِ سے مراد دنیا و ما فیہا ہے لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْیَا۔[1] گویا آنحضرت جو مبدائے کمال عالم ہیں۔ اُن کا وجود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس پر موقوف ہے۔ ع

ز فلک از نام محمد مقیم

یا عین الکمال سے مراد اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔[2] یا کمال سے مراد اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج ہیں۔ جو پیغمبروں کو عطا ہوتے ہیں۔ ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری ۔ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ترجمہ: میرا نام عبدالقادر مشہور و معروف ہے۔ اور میرے نانا (حضور سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم) مدارج کمال یا دین کامل کے مظہر یا دنیا و ما فیہا یا چشمۂ کمال کے مالک ہیں۔

تشریح: حضرت شیخ قدس سرہ کا اپنے نام نامی کو اس طریق سے ظاہر کرنا اور اُس کو المشہور کے لفظ سے ذکر کرنا اشارہ ہے۔ اس حقیقت کی طرف کہ یہ نام عجیب ترکیب رکھتا ہے۔ اور اس میں بے شمار برکات ہیں۔ قادر خدا کا وہ نام ہے جس میں تمام صفات الٰہی آ سکتی ہیں۔ کیونکہ قدرت کا ظہور نہیں ہو سکتا جب تک علم اور ارادہ نہ ہو۔ اور علم اور ارادہ تمام صفات کو حاوی ہے۔ اچھا نام وہ ہے جس میں لفظ عبد کا مضاف اسمائے حسنیٰ کی طرف ہو۔ ایسے نام کو حق تعالیٰ بہت دوست رکھتا ہے۔ جیسا کہ

لہ اے محمد اگر میں تجھ کو پیدا نہ کرتا تو ساری دنیا کو پیدا نہ کرتا۔ ٹہ آج میں نے آپکے دین کو مکمل کر دیا ہے۔

حدیث میں ہے۔ اِنَّ اَحَبَّ اَسْمَائِکُمْ اِلَی اللّٰہِ عَبْدُ اللّٰہِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ۔ جہاں حضور صلعم کو بڑی سے بڑی نعمت عطا فرمانے کا ذکر ہے۔ وہاں آپ کو لفظ عبد سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ قرآن شریف میں ہے۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی ۔ وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا ۔ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی ۔ پس حضرت قدس سرہ کا اس نام پاک سے فخر کرنا آپ کے مراتب کے شایان شان ہے۔ جس میں آپ کی عبودیت وخضوع کا اظہار ہے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے۔ کہ آنحضرت قدس سرہ کے ذاتی وصفاتی اور بھی نام ہیں۔ لیکن مشہور نام عبدالقادر ہے۔ آپکے دوسرے نام یہ ہیں۔ ولی۔ خواجہ۔ مخدوم۔ سلطان مسکین فقیر یتیم۔ مولی۔ غریب۔ غوث۔ قطب۔ محی الدین۔ النور العظیم۔ البازی الاشہب الطراز المذہب۔ محبوب سبحانی۔ شیخ الکل۔ غوث الثقلین۔ امام الخافقین۔ الوجود المحض حضرت کا اپنے نانا (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر کرنا اور ان کو صاحب العین الکمال کہنا اپنے کمال کی طرف اشارہ بھی ہے۔ بمصداق اس کے کہ اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِّاَبِیْہِ۔ بعض کتب میں لکھا ہے۔ کہ اسم پاک عبدالقادر میں وہ تاثیر ہے جو اسم اعظم میں ہے۔ اور اسیواسطے اہل عقیدت نام عبدالقادر کو اسم اعظم کہتے ہیں۔ باین معنی حضرت قدس اللہ سرہ کی نعت میں راقم آثم کے نانا امجد علامہ بے لوث مولوی غلام غوث صاحب مرحوم نے ایک تصنیف میں فرمایا ہے

نام تو با اسم اعظم ہست ہم رنگ شرف　　از دم نام تو اعجاز مسیحائی کنم۔ ۱۰

لہ تمہارے نزدیک بہت پیارے نام عبداللہ و عبدالرحمن ہیں۔ لہ وہ خدا عجز اور درماندگی سے پاک ہے جو اپنے بندے (محمد) کو راتوں رات مسجد اقصے (بیت المقدس) تک لے گیا۔ لہ اگر تم کو اس میں شک ہو۔ اور یہ سمجھتے ہو کہ یہ کتاب خدا کی نہیں بلکہ آدمی کی بنائی ہوئی ہے لہ اسوقت خدا نے اپنے بندہ محمد کیطرف جبرئیل کے ذریعہ سے جو وحی کرنی تھی سو کی ۔ پ ۲۷ ع ۵

لہ بیٹا باپ کی سیرت رکھتا ہے۔

اس شعر میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جس طرح حضرت قدس سرہ کو عبودیت الٰہی اور اتباع حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم سے ترقی مدارج حاصل ہوئی۔ اسی طرح آپکے معتقدین بھی ان دو ہی چیزوں سے مدارج میں ترقی کر سکتے ہیں۔ اس کے سوا اور کوئی طریق نہیں۔ دوسرے قصائد میں بھی حضرت قدس سرہ نے اس نام اور نسب پر فخر کیا ہے۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔ میں نے ایک قصیدہ مدحیہ میں عرض کیا ہے

تو شاہ عبدالقادری ۔ رشک بتان آزری ۔ یا آفتاب خاوری ۔ یا مہبط نور خدا

حضرت شیخ قدس اللہ سرہ العزیز نے اپنا نام محی الدین بھی فرمایا ہے اور عبدالقادر بھی یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کونسا نام ہے۔ اور کونسا لقب یا خطاب۔ جواب اس کا یہ ہے کہ محی الدین اگرچہ لقب تھا۔ لیکن وہ اس قدر مشہور تھا۔ کہ اس کو اسم اعظم کا درجہ حاصل ہوا اور یہ کمال ہے کہ لقب اسم کا درجہ حاصل کرے۔ اس میں کمال کا اظہار ہو۔ ابتدائی نام رکھنے میں اظہار کمال مراد نہیں ہوتا۔ لیکن جب کسی کمال سے کوئی لقب اسم پر غالب آئے تو اس سے ممدوح کی شان اور بڑھ جاتی ہے۔ یا یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اسم میں خطاب نام۔ کنیت سب شامل ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَۃٍ مِّنْہُ اسْمُہُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْہًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ اس آیت میں اسم کا اطلاق مسیح۔ عیسے۔ ابن مریم سب پر ہوا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاَفْضَلِ النَّبِیّٖنَ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

تمت

لہ یہ اللہ کا فضل ہے جسکو چاہے عطا کرے۔ اور اللہ کا فضل بہت بڑا ہے لہ جسوقت فرشتے نے کہا۔ اے مریم خدا تعالیٰ تم کو بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو جانب اللہ ہوگا۔ اس کا نام مسیح عیسی ابن مریم ہوگا۔ با آبرو ہونگے دنیا و آخرت میں منجملہ مقربین ہوں گے ۔ پارہ ۳ ع ۱۳ آل عمران ۵

قرآن و حدیث کی روشنی میں مختلف موضوعات پر بلند پایہ مواعظ حسنہ کا مجموعہ

نظم و نثر کا حسین امتزاج

مواعظ القرآن والحدیث

کامل

مخدوم اہلسنت شیخ طریقت

حضرت الحاج ابو الحسن پیر سید محمد معصوم شاہ گیلانی قادری نوری قدس سرہٗ

بانی جامع مسجد نوری و نوری کتب خانہ۔ لاہور

ناشر

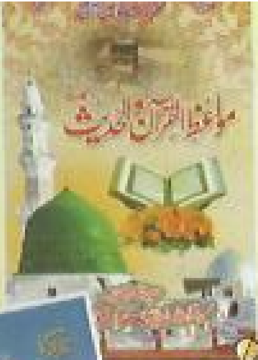
پیرزادہ سید محمد عثمان نوری

چیئرمین نوری فاؤنڈیشن پاکستان، نوری بلڈنگ بالمقابل ریلوے اسٹیشن لاہور

فون: ۶۳۰۵۹۳۱ - ۶۳۶۶۳۸۵

نوری کتب خانہ لاہور





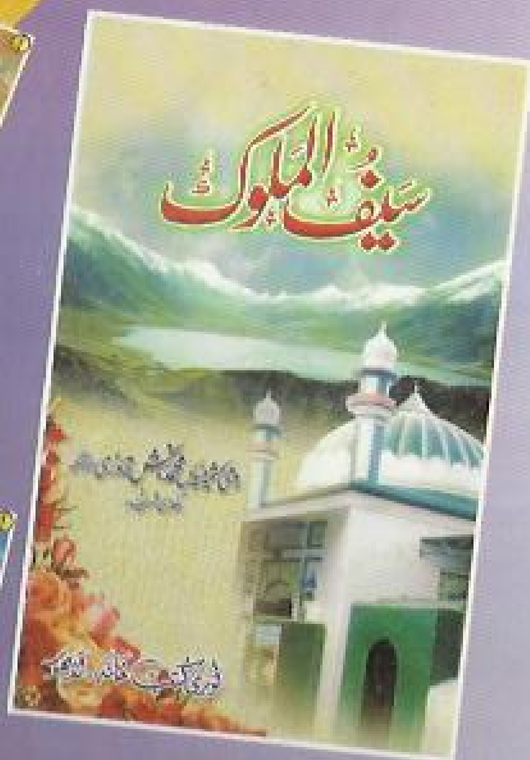












نوری کتب خانہ

نوری بک ڈپو
دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ لاہور